

جاسوسی دنیا نمبر 37

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(مُكْمَلٌ نَّاولٌ)

فریدی چونکہ صورت سے پریشان نظر آ رہا تھا اس لئے حمید نے زیادہ پھیلنا مناسب نہ سمجھا۔
 فریدی کو اتنی جلدی تھی کہ اس نے اُسے سلپنگ سوت بھی نہ اتنا رنے دیا۔
 کیڈی پھاتک سے نکل کر ایک طرف کو ہوئی۔
 ”کوئی خطرناک مہم...؟“ حمید نے پوچھا۔
 ”یقیناً خطرناک ہی ہو سکتی ہے۔ عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔“
 ”کون عرفانی صاحب؟“
 ”ایک طرح سے تم انہیں میرا استاد بھی سمجھ سکتے ہو۔“
 ”آپ نے پہلے بھی اس قسم کے کسی آدمی کا تذکرہ نہیں کیا۔“ حمید نے کہا۔
 ”اوہ ہو... تم نے مجھے کے آدمیوں میں بھی نہ کبھی ان کا تذکرہ ضرور سننا ہو گا۔ ہمارے پیش روؤں میں وہ کافی مشہور تھے۔“
 ”اوہ سمجھا... وہی بوڑھا تو نہیں ہے نیلے رنگ کا خط ہے۔“
 ”ٹھیک سمجھے۔“
 ”لیکن وہ آپ کے استاد کس طرح ہوئے۔“
 ”شروع میں انہوں نے اکثر میری رہنمائی کی ہے۔ والد مر حوم کے دوستوں میں سے ہیں۔
 پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں وہ ملٹری سیکرٹ سروس سے متعلق تھے۔ ریتا رہونے کے بعد سے الگ تھلکتھلکتھنگی گزار رہے ہیں۔ لیکن سوچتا ہوں.... ایسا شخص! سمجھ میں نہیں آتا کیا معاملہ ہے انہوں نے فون پر مجھ سے اتنا ہی کہا کہ میں خطرے میں ہوں.... میں نے خطرے کی نوعیت پوچھنی چاہی لیکن جواب نہیں ملا۔ فون ڈس کنکٹ نہیں کیا گیا تھا۔ پھر میں نے فارٹ کی آواز سنی اور ایک ہلکی سی چیخ...!“
 ”کیا وہ گھر پر اکیلے ہی ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔
 ”قریب... قریب۔“ فریدی نے پر تشویش لجھے میں کہا۔ ”ایک نو کر ہے وہ اتنا بہرہ ہے کہ جب تک اس کے کان میں منہ لگا کر چیخانا جائے نہیں سن سکتا۔“
 ”عرفانی صاحب مالدار آدمی ہیں!“
 ”ہاں! کافی۔“ فریدی پھر خاموش ہو گیا۔

پُر اسرار قتل

ٹیلی فون کی گھنٹی بیج رہی تھی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔
 ”ہیلو...!“
 ”فریدی... میں عرفانی بول رہا ہوں.... بوڑھا عرفانی... میں خطرے میں ہوں۔“
 ”کیا بات ہے!“ فریدی نے پوچھا۔
 لیکن جواب ندارد.... سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ فریدی نے رسیور کان سے لگائے رکھا۔
 ”ہیلو... ہیلو... عرفانی صاحب... ہیلو...“ فریدی بول رہا ہے۔ ”فریدی نے دوبارہ کہا۔
 لیکن پھر بھی کوئی جواب نہ ملا.... اور پھر فریدی نے ایک ہلکی سی آواز سنی۔ اسی کے ساتھ ہی کسی کے چیختنے کی آواز آئی۔
 ”فائز...!“ فریدی آہستہ سے بڑھا لیا اور اس نے رسیور کھ دیا۔
 ”حید...!“ اس نے حمید کو آواز دی جو برادر ہی کے کرنے میں اپنی پالتوج ہیا کو اختر شیر ان کی کوئی نظم سنارہا تھا۔
 ”فرمائیے۔“ اس نے اس دخل اندازی پر بُر اسامنہ بناؤ کر کہا۔
 ”اٹھو...!“ ہمیں جلدی ہے۔“ فریدی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا۔
 ”عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔“
 ”ہوں گے۔“ حمید نے بے پرواہی سے کہا۔
 ”اٹھو...!“ فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر جنجموڑا لال۔

سالھے گیا رہنچھے تھے۔ سڑکیں سنسان ہوتی جا رہی تھیں۔ رات کھر آلو دہونے کی وجہ سے تاریکی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

کیڈی کیلاش برج کو پار کر کے شہر کے ایک ایسے حصے میں داخل ہو رہی تھی جہاں تھیں آبادی نہیں تھی۔ خال خال ایک آدمی عمارتیں نظر آجائی تھیں جن کی کھڑکیوں میں کھر میں پڑھوئی دھندلی روشنی اوہ سورے خوابوں کی یاد کی طرح آؤ گھر رہی تھی۔

فریدی نے ایک عمارت کے سامنے کیڈی روک دی۔ وہ دونوں نیچے اترے۔ پائیں باغ میں اندر ہر اقا عمارت کی کسی کھڑکی میں بھی روشنی نہیں تھی۔

”گاڑی سے ٹارچ نکال لو۔“ فریدی نے کہا۔

جمید واپس چلا گیا۔ اتنے میں فریدی برآمدے تک پہنچ گیا تھا۔ اُسے کہیں بھی کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ وہ چند لمحے ساکت و سامت کھڑا رہا۔

جمید ٹارچ لے کر واپس آگیا۔

برآمدے میں چار دروازے تھے۔ ان میں سے ایک کے دونوں پتھر کھلے ہوئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی ایک طویل راہداری میں پڑی اور جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے انہیں خراویں کی آواز سنائی دی۔ روشنی کا دائرہ آواز کی مست گھوم گیا بائیں طرف ایک چھوٹا سا سکرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اندر ایک ضعیف العمر آدمی کے خرائے گونج رہے تھے۔

”زوکر....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ اور وہ پھر آگے بڑھ گئے اس کے کمرے کے علاوہ انہیں ہر کمرے میں انتشار اور بد نظمی نظر آئی۔ صندوق کھلے ہوئے سامان بکھرا ہوں حتیٰ کہ فرش پر بچھی ہوئی قالین تک اٹی پڑی تو فریدی ہر کمرے کا بلبڑ دش کرتا جا رہا تھا۔

آخری کمرے میں جمید کو ٹیکی فون کے علاوہ ہر چیز نیلے رنگ کی نظر آئی نیلے پردے نیز فرنپیچ دروازوں پر نہ صرف نیلا پینٹ تھا بلکہ ان کے شیشے میں بھی نیلے ہی رنگ کے تھے دیواروں پر نیلے رنگ کا پاٹش تھا۔ اس نیلگوں طوفان میں اس چیز کو نظر انداز ہی کر گئے جس پر اس کی نظر پہلے ہی پڑی چاہئے تھی کر سیوں کے پیٹھے ہوئے گدوں یا بکھری ہوئی چیزوں کی ان سامنے کوئی اہمیت نہیں تھی یہ تازہ خون کا ایک بہت بڑا وہبہ تھا جو لکھنے کی بڑی میز کے نیچے فری

پر نظر آ رہا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولے نہیں۔

پھر فریدی کی نظریں فون کے رسیور پر جم گئیں جو میز کے سامنے والے کنارے پر جھوٹ گیا تھا۔

”اُسے توپ کی گرج بھی نہیں جا سکتی۔“ فریدی نے کہا اور جھک کر خون کے دھبے کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر گھری تشویش کے آثار تھے اور آنکھیں مضطربانہ انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”عرفانی صاحب کی زندگی میں تو یہ ناممکن تھا۔“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”دوس آدمی بھی کھر کی حالت اس طرح نہیں بھاڑ سکتے تھے۔“

”تو کیا....!“ جمید کچھ کہتے کہتے رنگ گیا۔

”آخر لاش کیا ہو گئی۔“ فریدی پر تشویش لجھے میں بولا۔

”لاش....!“ جمید چونک کر بولا۔

”یہ خون....!“ فریدی نے خون کے دھبے کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور یہ رسیور جو میز سے لکھا ہوا ہے عرفانی صاحب مجھے فون کر رہے تھے۔ فائز کی آواز... جیخ... ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے پھر حملہ آڑوں نے گھر کا سامان الٹ پلٹ ڈالا۔ کرسیوں کے گدے تک پھاڑ ڈالے گئے۔“

جمید کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں کھلی ہوئی تجوہی پر جمی ہوئی تھیں۔

”لیکن....!“ جمید بولا۔ ”حملہ آور نے انہیں نظر انداز کر دیا۔“

اس نے تجوہی کے سامنے فرش پر بکھرے ہوئے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا ان کے قریب کچھ زیورات بھی تھے جن میں قیمتی پتھر جگہ کاربے تھے۔

”ہم اسے ڈاکہ نہیں کہہ سکتے۔“ فریدی نے کہا۔ ”دوسرے کمروں میں بھی ہتھرا قیمتی سامان بکھرا ہوا دیکھتے آئے ہیں۔“

جمید کچھ نہ بولا۔ صاف ظاہر تھا کہ حملہ آڑوں کو کسی خاص چیز کی لاش تھی۔ ایسی چیز ہے کری کے گدوں میں بھی چپیا جا سکتا تھا۔

حمدیکھ نہیں بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی بھیتی میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بولے یہ داقد
اس پر اچانک نازل ہوا تھا وہ اس وقت آرام سے اپنے بستر پر خدائی لے رہا ہوتا۔
اور حملہ آوروں کو اپنے شکار سے زیادہ اُس چیز کی تلاش کی فکر تھی جس کے لئے انہوں
نے گھر میں اپنی پھیلائی ہے۔

”یہ آپ کیسے کہ سکتے ہیں۔“ حمید نے یونہی کچھ سوچے سمجھے بغیر زبان ہلا دی۔
”میوں کہ ان کے اسی رجحان نے عرفانی صاحب کو فرار ہونے میں مدد دی۔“
”کیا مطلب!“ حمید چوک پڑا۔ ”آج کی تو آپ کی لاش کا تذکرہ کر رہے تھے۔“
”پہلا خیال غلط تھا۔“ فریدی چاروں طرف مجسمانہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔
”مگر ہو سکتا ہے کہ حملہ آور لاش بھی اپنے ہمراہ لے گئے ہوں۔“ حمید نے کہا۔
”نہیں کچھ نشانات اس بات کی تردید کرتے ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”مثلاً.... اوہر آؤ...
اُس دروازے کا پردہ ہٹاؤ۔“

حمدی پردہ ہٹا کر کھڑا ہو گیا اور واقعی وہ نشان کسی اندازے آدمی کے لئے بھی واضح تھا۔
دروازے کے ایک پٹ پر فرش سے تقریباً ڈریٹھ فٹ کی اونچائی پر خون کا ایک بڑا سادھہ تھا جس
کے پتلی پتلی کئی لکریں نیچے تک بہہ آئی تھیں۔

”گول شاید پشت پر لگی تھی۔“ فریدی بڑا بڑا۔ ”وہ میز کے نیچے سے گھستے ہوئے یہاں تک
آئے۔ کچھ دیر دروازے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے رہے.... پھر....!“
فریدی دروازے کی چھینگ کی طرف دیکھنے کا جو گری ہوئی تھی۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ پھر اسی دروازے سے نکل گئے ہوں۔ ذرا تاریخ مجھے اٹھادیں۔.... اوہو....
یہ پھر آگیا۔“

فریدی کی نظریں ہبرے نوکر پر جم گئیں جو دروازے میں کھڑا نہیں سہی ہوئی نظروں سے
دیکھ رہا تھا۔

حمدی آگے بڑھ کر اُس کے کان میں چھینٹے لگا۔ بدقت تمام وہ اُسے سمجھا پایا کہ اس کا مالک مرا
نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نکل گیا ہو اور اسے اپنے کمرے میں اس وقت تک خاموش بیٹھنا چاہئے
جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔

”تو نکر کو جگانا چاہئے۔“ حمید نے کہا۔

فریدی کچھ سوچتا ہوا اس کی طرف مڑا۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہستہ
آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ فریدی نے بلب
روشن کر دیا۔ حمید اسے جنموجوڑ رہا تھا۔

”کیا ہوا.... کیا بات ہے۔“ بوڑھا کھڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ”آپ کون ہیں۔“
پھر انہیں اسے سب کچھ سمجھانے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ چینچنے چھینچنے حمید کا گلا بیٹھ گیا۔
وہ اُس کمرے میں لے آئے جہاں انہوں نے خون دیکھا تھا۔
بوڑھے کی گھصھی بندھ گئی۔

”صاحب.... لک.... کہاں ہیں۔“ اس نے ہکلا کر پوچھا۔
فریدی نے اُسے اپنے فون والا واقعہ بتایا۔

”تو یہ.... صاحب کا.... خون!“ بوڑھا کر بنا کر انداز میں چینچا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ
چکرا کر گر پڑے گا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا۔
تقریباً پندرہ میں منٹ تک اس کی حالت غیر رنگی۔ کبھی وہ چپ چاپ آنسو بہاتا اور کبھی
چینچنے لگتا۔ بڑی مشکلوں سے فریدی اُسے گھنگو کرنے پر آمادہ کر سکا۔ اُس نے بتایا کہ آج کوئی
ملاقاتی بھی نہیں آیا تھا اور وہ حسب معمول کاموں سے فراغت پانے کے بعد نوبجے سونے کے
لئے چلا گیا تھا۔

فریدی نے دو چار سوالات اور نکتے اور جوابات سے اُس نے اندازہ لگایا کہ نوکر عرفانی کے
ذاتی معاملات میں دخل نہیں تھا۔

”بہتر تو یہی ہے کہ اس کو اس کو کمرے میں پہنچا دو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔
حمدی کے جانے کے بعد وہ پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے ذرا نہیں کمرے کے پردے ہٹائے۔
دیواروں کو دیکھتا رہا اور پھر اُسی میز کے قریب پلٹ آیا۔ جس کے نیچے خون کا دھبہ تھا۔
حمدی کی واپسی پر اس نے آہستہ سے کہا۔
”فائر کرنے کے فوراً بعد ہی کمرے کی روشنی گل کر دی گئی تھی۔“

روئنے کی آواز عمارت میں گونج اٹھتی تھی۔
تحوڑی دیر بعد حمید والیں آگئیں۔

"شاید انہوں نے عرقانی صاحب کو بھی پالیا تھا۔" حمید نے کہا۔
"کیوں...؟"

"ان کی ساری جیسیں اٹھی ہوئی ہیں انہیں اچھی طرح دیکھا گیا ہے۔"

"میں نے تمہیں قمیض کی جیب دیکھنے کو بھیجا تھا۔" فریدی نے تیز لمحے میں کہا۔
"قمیض کی جیب اپنی جگہ پر ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تب تو...!" فریدی حمید کے لمحے کو نظر انداز کر کے بولا۔ "یہ لکڑا کسی قمیض کا جیب
معلوم ہوتا ہے.... اور یہ وزینگ کارڈ...!؟"

فریدی میز پر رکھے ہوئے کپڑے کے نکلوے اور ملاقاتی کارڈ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔
دونوں فرش پر ملے ہیں ملاقاتی کارڈ کپڑے کے نیچے تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ خاصی جدوجہد بھی ہوئی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔
"یقیناً اس کارڈ پر ہاتھ کی مضبوط گرفت کے نشانات ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور یہ کارڈ کسی جوزف پیٹر کا ہے جو سولہ کنس لین میں رہتا ہے۔"
"سراغ...!" دفعنا حمید کا چہرہ چمک اٹھا۔

"اب تم کو توانی فون کر سکتے ہو۔" فریدی بڑے بڑے
حمید ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔
"ذہنیں...!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اسے یو نہیں رہنے دو۔ تھوڑے ہی فاصلے پر
دوسری عمارت ہے وہاں فون ضرور ہو گا۔"

حمدید کے چہرے پر چمکاہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔
"اوہ سمجھا! تم شب خوابی کے لباس میں کسی شریف آدمی کا دروازہ نہیں کھٹکھانا چاہا۔
فریدی سکرا کر بولا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔"

حمدید فریدی کے قد موس کی آواز سننا رہا۔

گرانڈ میل احمدق

دوسری صبح کے انبساطات نے عرقانی کے پر اسرار قتل کے متعلق بڑی موٹی سر خیاں
بھائی تھیں۔ لیکن ایک بات حمید کی سمجھ میں نہیں آؤتی تھی کہ آخر لاش کی دریافت کے سلسلے
میں اسی کا وہ فریدی کا نام کیوں نہیں لیا گیا تھا۔ اس کے بر عکس خبر سے مطابق لاش عرقانی کے
نوکرنے دیکھی تھی اور اسی نے پولیس کو بھی مطلع کیا تھا۔
بھی ہو یہ چیز کم از کم اس کے لئے پریشان کن تھی۔ اس کا مطلب بھی تھا کہ فریدی اس
کیس کو باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں لے چکا ہے۔

اس نے چھنجھلاہٹ میں اپنے منہ پر دو چار چھپڑ لگائے اور اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔
آج اتوار تھا اور اس نے پروگرام بنا لیا تھا کہ اپنے گرانڈ میل احمدق دوست قاسم کے ساتھ
محفلیوں کا شکار کھیلنے جائے گا۔ حالانکہ فریدی نے ابھی تک اسے کسی کام میں نہیں گھسیتا تھا پھر بھی
اسے اپنے موڑ کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ آج کل اس کا موڑ بڑا اچھا تھا اور وہ دن
رات تین نی تشریف توں کی ایجاد کے چکر میں رہتا تھا۔

اس نے بڑی تیزی سے شیو کیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور ناشتے کی پرواکے بغیر گھر سے نکل
گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ناشتے کی نیز پر فریدی کوئی نہ کام ضرور اس کے سپرد کر دے گا۔
اس کا موڑ سائیکل بڑی تیزی سے قاسم کی اقامت گاہ خان و لاکی طرف جا رہی تھی۔ قاسم کا
باپ خان بہادر عاصم شہر کے بہت بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا اور قاسم اس کا اکلوٹا لڑاکا تھا۔
خان و لا میں صرف قاسم اور اس کی بیوی رہتے تھے اور ان کی ازدواجی زندگی بڑی تلخ گزر رہی
تھی.... اور اس کی تختی کی بنیاد پہلے ہی دن سے پڑی تھی۔ وہ بھی قاسم کی حماقت سے کی بنا پر۔ وہ
اپنے دوستوں میں گرانڈ میل احمدق کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں کا خیال تھا اس کے جسم کی نشوونما
کے سلسلے میں بیچاری عقل غذا بنتی رہی تھی اور آخر میں جسم ہی جسم رہ گیا عقل صاف ہو گئی۔
بہر حال قاسم شادی ہو جانے کے بعد بھی اکثر اپنا سر پیٹ پیٹ کر کہا کرتا تھا کہ میں اب
بھی کوارا ہوں۔ یہ مسئلہ اس کے دوستوں کے لئے خاصی دلچسپی کا موضوع تھا۔

^۱ اس دلچسپ داستان کے لئے بھی "برف کے بھوت" جلد نمبر 11 پڑھئے۔

قاسم نے حمید کو دیکھ کر ایک گھن گرج قسم کا تقدیر لگایا وہ صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

”اتے سوریے! ابھی تو مچھلیاں ناشتے سے بھی فارغ نہ ہوئی ہوں گی۔“

”لیکن میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا۔“

”بڑی خوشی ہوئی۔“ قاسم نہ کر بولا۔ ”تو پھر تو میرے ساتھ ناشتہ کرو۔“

قاسم کسی نوکر کا نام لے کر چھینے لگا۔

”ازے تم! انگدھوں کی طرح چھنتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔“

”پھر کیا کروں! اب اٹھے کون۔“

”گھنٹی کیوں نہیں رکھتے۔“

”گھنٹی!“ قاسم جھینپ کر بولا۔ ”مجھے گھنٹی بجاتے ہوئے شرم آتی ہے۔“

حید ہنسنے لگا۔ قاسم اپنے عادات و اطوار کے لحاظ سے عجیب ہی نہیں بلکہ عجیب ترین تھا۔ نوکر چلا گیا۔

”کیا صلح ہو گئی یوئی سے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اس تذکرے کو نہ چھیڑو حمید بھائی۔“ قاسم غمگین آواز میں بولا۔ پھر اخبار حمید کے سامنے رکھ رکھنے لگا۔ حمید نے اسے گھور کر دیکھا۔

”محے سراغِ رسانی سے دلچسپی ہو چل ہے۔“ قاسم نے کہا۔ ”اس قتل کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”اچھا تو آپ بھی مجھے بور کریں گے۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”ابے اسی وجہ سے تو میں گھر سے بھاگا ہوں۔“

”نہیں لا اقسام حمید بھائی! اگر تم تھوڑی سی مدد کرو تو میں سراغِ رسان بن سکتا ہوں۔“

”شش اپ...!“

”اچھا سنو! میں نے کیا رائے قائم کی ہے۔“

”بکو...!“ حمید بیزاری سے بولا۔ اس کی بھوک چکا اٹھی تھی۔

”خبرداروں نے لکھا ہے کہ قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی۔“ قاسم مفکرانہ انداز میں اپنے

جلگل کی آگ

بلد نمبر 12

”ول گول دیدے پھر اکر بولا۔“ انہوں نے کرسیوں کے گدے تک چھاڑ دیا لے کیا چیز ہو سکتی ہے؟“

”وہ سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔“

”صلی سلاجیت۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ پھر بگڑ کر کہنے لگا۔ ”ناشترے میں کتنی دیر گئے گی۔“

”یار یہ سلاجیت کیا چیز ہے؟“ قاسم نے موضوع نکتگو بدل دیا۔ اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا بلکہ یہ اس کی عادت تھی۔ کوئی ایک بات شروع کر کے وہ ہمیشہ صدمیات میں الجھ جایا کرتا تھا۔

”میں ناشترے کی بات کر رہا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں پہلے سلاجیت! میں بچپن ہی سے اس کے اشتہارات انگر و سائل میں دیکھتا آ رہا

”ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ہے کیا چیز!“

”بیوی سے پوچھنا۔“

”کاش میں پوچھ سکتا۔“ قاسم گھری سانس لے کر بولا۔ ”چھوڑو حمید بھائی اس تذکرے کو۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ.... عرفانی کے پاس کوئی ہیرا تھا۔ بہت بڑا.... شاید مرغی کے اٹھے کے برابر۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ تربوز کے برادر رہا ہو۔“ حمید جھمٹلا کر بولا۔ ”لیکن میں نے ابھی تک ناشترے نہیں کیا۔ اب میں جارہا ہوں۔“

”ارے نہیں.... ہی ہی ہی۔“ پہلے تو قاسم ہنپا پھر یہ بیک اُسے غصہ آگیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ بیوی سالی اس قابل ہے کہ اسے برف کے پانی میں عرق کر دیا جائے۔

اپنے بھوک کے مارے میری جان بھی نکل جارہی ہے۔ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتی ہے۔ اب وہ باور پری سے الجھ رہی ہو گی.... آؤ چلو...!“

”وہ دونوں کھانے کے کمرے میں آئے۔ میر خالی پڑی تھی۔“ قاسم اُسے دونوں ہاتھوں سے پینٹا ہوا چھینے لگا۔ ”کہاں مر گئے سب۔ ابھی تک ناشترے...!“

”دفعتا ایک نو کر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔

”اپے اوہتا شے کی اولاد... ناشترے۔“ قاسم حلق چھاڑ کر چھپا۔

”وہ... بیگم صاحب۔“ نو کر ہکلایا۔

”بیگم صاحب کو فرائی پان میں ڈالو۔ میں کہتا ہوں ناشترے۔“

”سرکاری.... وہ خود حلوہ تیار کر رہی ہیں۔“

”ہائیں.... خود تیار کر رہی ہیں۔“ قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”ابے میں حلوہ کب سے کھانے لگا ہوں۔“

”میرے لئے تیار کر رہی ہوں گی۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ اور قاسم اُسے قہر آؤ دنظر وہیں سے گھور کر رہ گیا۔

”ابے تو جو کچھ تیار ہو وہی لاو۔“ قاسم گرجا۔

نوکر چلا گیا۔

”اسی لئے تو وہ تم سے گھبرا لتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”وہ کیا اس کا باپ بھی مجھ سے گھبرا لتا ہے۔“ قاسم اکٹھا کر بولا۔ ”میں نے تو چاہا تھا کہ وہ اپنے باپ کے پاس چلی جائے لیکن وہ اسے بھی نہیں منظور کرتی۔“

دفعہ قاسم کی آواز گلوکریز ہو گئی۔ ”حید بھائی۔ میں کنوار ایسی مر جاؤں گا۔“

”شہادت کا درجہ ملے گا تمہیں۔“ حمید لاپرواہی سے بولا۔

”میں ہرگز کنوار نہیں مر سکتا۔“ قاسم پھر پھر گیا۔ ”میں ایک آدھ کالخ... خون... ادا۔“

وہ اپنا ٹک خاموش ہو گیا کیونکہ اس کی بیوی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے پیچے

ناشستہ کی ٹھالی تھی۔ وہ حمید کو دیکھ کر بڑے دلائر ز انداز میں مسکرا لی۔ وہ حقیقتاً ایک پیاری سی تھی۔ دبی پتلی نازَ اندام! اور کافی خوبصورت بھی۔ قاسم اور اس کا جوڑ دو اصل پہاڑ اور گلہری بیومن تھا۔

”معاف کیجئے گا۔ آپ لوگوں کو انتظار کرنا پڑا۔“ اس نے کہا۔

”کوئی بات نہیں ظاہر ہے کہ آئیں بڑھ گئے ہوں گے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”قاسم آپ ز

بڑی تعریف کر رہے تھے۔“

”اگر ایسا ہے تو مجھے خود کشی کر لئی چاہئے۔“ قاسم کی بیوی نے سنجیدگی سے کہا۔

”میا...؟“ قاسم اس طرح اچھا جیسے پھونے ڈنگ مار دیا ہو۔

”میں نے آپ سے تو کہا نہیں۔“

”آئی ایم ساری...!“ قاسم مسکی صورت بنا کر رہ گیا۔

بیز پر ناشتہ چن دیا گیا۔ قاسم کے سامنے بکرے کی ایک مسلم ران اور ایک پورا مرغ تھا۔

حمد کو اس پر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی خوراک سے بخوبی واقف تھا۔

”آپ کے لئے تو پھر درسری کا سامان مہیا ہو گیا۔“ قاسم کی بیوی نے حمید سے کہا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”میا آپ نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔“

”اوہ.... مجھے اس قتل سے کوئی سروکار نہیں۔ حکمے میں اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔“

”ہاں تو حمید بھائی۔“ قاسم بکرے کی ران او ہیڑتا ہوا بولا۔ ”میں یہ کہہ رہا تھا کہ ...“

قاتلوں کو اُسی ہیرے کی تلاش تھی اور وہ اُسے لے گئے۔ دو چار قتل ابھی اور ہوں گے۔“

”میا آج کل تم مشی تیر تھا رام کے ترینچے پڑھ رہے ہو۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“ قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”الا فتم تم سو فیضی سراغ

رساں ہو۔ کیا نام تھا اس کا... اماں... وہی ہملاک شومز... تم تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔“

”شر لاک ہو مز...!“ قاسم کی بیوی نے تصحیح کی۔

”ہملاک شومز...!“ وہ گوشت او ہیڑتے او ہیڑتے رک کر اپنی بیوی کو گھوڑنے لگا۔

”آپ سمجھائیے۔“ اس کی بیوی نے حمید سے کہا۔

”میں کوئی بچہ ہوں۔“ قاسم دھاڑنے لگا۔ ”مجھے کون سمجھائے گا۔“

”آپ کی یادداشت اس قابل نہیں ہے کہ اس پر بھروسایا جائے۔“ بیوی نے اسے چڑھایا۔

”کیا...؟“ قاسم حلق پھاڑ کر چینا۔ ”ابے اُو... شکورا... کل سے ہمارا ناشتہ الگ لگے گا۔“

”جلدی کرو یار... ورنہ پھر شکار۔“

”وکار...!“ قاسم کی بیوی نے حمید کی بات کاٹ دی۔

”جی ہاں! ہم لوگ آج مچھلیوں کا شکار کھلیں گے۔“

”میں بھی چلوں گی۔“

”ضرور... ضرور...!“ قاسم نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”آپ کے بغیر بھلا خاک شکار ہو گا۔“

”میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔“

”میا حرج ہے اضور چلئے۔“ حمید نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ وہ اسے دھکاتی ہوئی بولی اور کمرے سے چلی گئی۔ قاسم بدحواسی میں طرح طرح کے منہ بنا کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

”لے چلوں...! آخر لیکا حرج ہے۔“ حمید اس کے کاندھ سے پرہا تھر کھتا ہوا بولا۔
”یار حمید بھائی! مجھے تو موت بھی نہیں آتی ہے۔“ قاسم نے بے بھی سے کہا۔
”او قاسم الجذگ! خدا تجھے حقیقت غارت کرے۔ ارب تم اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔“
”کیوں...؟“ قاسم کو پھر غصہ آگیا۔

”تنے سخیم شخیم اور طاقت ور آدمی ہو کر عورتوں کی طرح خود کو کوستے ہو۔“
”عورتوں کی طرح؟“ قاسم جھینپ کر بولا۔

”چلو جلدی کرو اساری تفریق بر باد ہو گئی۔“
”ہاں اور کیا۔“ قاسم جلدی سے بولا۔ پھر آہستہ سے کہنے لگا۔ ”ابا جان سے ضرور شکایت کر دے گی۔“

”تو کیا ہو گا۔“

”گڑ بڑ ہو گی۔ بڑی گڑ بڑ ہو گی حمید بھائی۔“

”ابے چل! میں تجھے کسی سر کس میں نو کری دلوادوں گا۔“
قاسم بوكھلائے ہوئے انداز میں ہٹنے لگا۔

تحوڑی دیر بعد قاسم کیرج سے اپنی کار نکال رہا تھا پھر جب کار کپاٹ سے باہر جانے لگی تو قاسم کی بیوی نے نہایت اطمینان سے بھیپلی نشست کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ قاسم اور حمید اگلی سیٹ پر تھے۔

”میں نہیں جاؤں گا۔“ قاسم کار روک کر مچل گیا۔ اور حمید نے تھہہ نکالی۔
”جانا پڑے گا۔“ بیوی بولی۔ ”اور بوریت ساتھ جائے گی۔“

”اڑے میں اپنا الفاظ واپس لیتا ہوں بابا۔“ قاسم نے اپنی پیشانی پرہا تھر کر کہا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں بوریت نہیں ہوں۔“ اس کی بیوی نے سمجھی گی سے پوچھا۔

”نہیں! نہیں! نہیں!“

”تو پھر مجھے لے چلنے میں کیا قباحت ہے۔“

”میں نہیں جاتا۔“ قاسم جھنگلا کر بولا۔

”تو پھر پروگرام کیوں بنایا تھا۔“ حمید بھی بگز گیا۔

”کیا پروگرام بنایا تھا۔“ قاسم اسے گھور کر بولا۔ ”یہی کہ ایک بوریت بھی ساتھ لے چلیں گے۔“

”میں بوریت ہوں۔“ قاسم کی بیوی نے اسے لکارا۔

”جی ہاں! آپ بوریت ہیں۔“

”آپ کو شرم آنی چاہئے۔“ اس کی بیوی کا لیجہ کچھ اور میز ہو گیا۔

”نہیں آنی چاہئے۔ آپ بوریت ہیں۔“

”میں ابھی پچا جان کو فون کرتی ہوں۔“ قاسم کی بیوی نے روہانی آواز میں کہا۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے قاسم کی روح فنا ہو گئی ہو۔ قاسم کی بیوی اس کے باپ کو پچا جان کہتی تھی اور قاسم دنیا میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں لڑتا تھا۔

قاسم ہو توں پر زبان پھیر کر رہا گیا۔ وہ ناشتہ کر چکے تھے اور فون کر بر تن اٹھا کر ٹرالی میں رکھ رہا تھا۔

”آپ کو اپنے الفاظ واپس لینے پڑیں گے۔“ اس کی بیوی بڑا بڑا۔

قاسم کچھ نہ بولا۔ وہ چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اور حمید کو اس کی بگزی ہوئی حالت پر بھی آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قاسم کوئی مشین ہو اور اچانک اس کا کوئی پر زہ ثوٹ گیا ہو۔

”آپ اپنے الفاظ واپس لیجھ۔“ قاسم کی بیوی اسے گھوز کر بولی۔

”حمدید بھائی۔“ قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم ذرا دوسرے کرے میں چلے جاؤ۔“

”کیوں... میں... اپنے الفاظ واپس لوں گا۔“

”نمیں! حمید بھائی کے سامنے۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی۔ ”آپ نے اُن کے سامنے میری توہین کی ہے۔“

”میں واپس لے لوں گا۔“ قاسم غرایا۔ ”ابھی نہیں مجھے جلدی ہے۔“

”نہیں! ابھی! اور نہ میں پچا جان۔“

”کرو فون۔“ قاسم حلچاڑ کر چینا۔ ”میں کسی سے نہیں ڈرتا۔“

”اے.... مارڈالو.... مجھے مارڈالو۔“ قاسم اپنی نائی سے اپنا گلا گھوٹنے لگا جیسے بدقد

تمام اس کے ہاتھوں سے نائی کے دونوں سرے چھڑائے۔

”تو آپ نہیں لے جانا چاہتے مجھے۔“

”نہیں! ہرگز نہیں۔“

”میں خوب سمجھتی ہوں۔“ ڈچ کر بولی۔ ”چھلکی کے شکار کا بہانہ ہے اور میں دعوے سے کہ سکتی ہوں کہ یہ شکاری شور بیدنگ کلب کے گھاٹ کے قریب کھیلا جائے گا جہاں ایگلو انڈریز لڑکیاں لگوٹی باندھ کر نہاتی ہیں۔“

”لگوٹی.... اے لا حول ولا..... تو بہ۔“ قاسم ہکلایا۔ ”لگوٹی نہیں سوئنگ ڈریں۔“

”اُردو میں اُسے لگوٹی ہی کہیں گے۔“ اس کی بیوی بولی۔

”ہرگز نہیں! لگوٹی بالکل الگ چیز ہے اس میں اپنے کا حصہ کھاں ہوتا ہے۔“

”ہوتا ہو! یا نہ ہوتا ہو! ہر حال شکار کا بہانہ۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوتی ہے۔“ جیسے صفائی چیز کی۔

”معاف کیجیے گا جیسے بھائی۔ آپ ہی اُنہیں بر باد کر رہے ہیں۔“ ڈر اسامنہ بنا کر بولی۔

”اے.... اے.... اغ.... الا قسم۔“ قاسم ہکلایا۔ ”جیسے بھائی تو مجھ سے کہتے ہیں کہ نماز پڑھا کرو۔“

”میں اُنہیں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔“

”ہائی! کیا مطلب!“ قاسم جیسے گھوڑنے لگا۔ کبھی وہ اپنی بیوی کو گھوڑتا تھا اور کبھی جیسے کوئی۔

بالآخر اس نے کہا۔ ”کیوں جیسے بھائی میں کیا سن رہا ہوں۔“

جیسے کبھی میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ ”قاسم کی ذہنی روکو بیکتے دری نہیں لگتی تھی وہ اپنی بیوی

کے اس جملے کو نہ جانے کیا کبھی بیٹھا ہو۔“

”بولتے کیوں نہیں۔“ قاسم علق پھاڑ کر چینا۔ ”یہ تمہیں میں طرح جانتی ہے۔“

”اپنی زبان سنبھالنے۔“ قاسم کی بیوی بھی چینی۔

قاسم کار سے اتر گیا۔

”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ جیسے نے کہا۔

”ہوش کی ایسی تیسی۔ تم بتاؤ مجھے یہ تمہیں کس طرح جانتی ہے۔“

”میں کیا بتاؤں۔ انہیں سے پوچھ لو۔“ جیسے کوئی آرہی تھی۔

”ٹھیک ہے.... ادا پی بیوی کی طرف مڑا۔“ تم کس طرح جانتی ہو انہیں۔

”دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔“ اس کی بیوی گرج کر بولی۔ ”آپ کیا سمجھتے ہیں؟“

”میں تو کچھ نہیں سمجھتا۔ تم بتاؤ کیسے جانتی ہو۔“

”چھوڑیا۔“ جیسے نے پھر دخل اندازی کی۔ ”مچھلیاں....!“

”مچھلیاں گئیں جنم میں.... میں برا خراب آدمی ہوں۔“

”اچھا تو پھر....!“ جیسے سنجیدہ بن کر بولا۔

”تو پھر....؟“ قاسم اُسے گھوڑنے لگا۔ اگر مجھے ثبوت مل گیا تو تمہیں زندہ دفن کر دوں گا۔“

”میاں کر رہے ہیں آپ اپنی زبان سنبھالنے۔“ قاسم کی بیوی بیچ پڑی اور پھر وہ نہ جانے کیا کیا

بڑھاتی کار سے ابڑ کر اندر چل گئی۔ جیسے کو اب بُری طرح غصہ آگیا تھا۔ لیکن قاسم پر قابو پانا

آسان نہیں تھا۔ وہ اب بھی نیچے کھڑا جیسے کو قہر آکوں نظر وہوں سے گھوڑ رہا تھا۔

وھٹکا جیسے کو اس کی دھکتی ہوئی رُگ یاد آگئی۔

”تم بالکل عورتوں کی طرح شکلی ہو۔ لا حول ولا قوہ۔“ جیسے بُر اسامنہ بنا کر بولا۔

”عورتوں کی طرح۔“ قاسم بل کھا کر رہ گیا۔

”عورتوں سے بھی بدتر! تمہیں شرم آئی چاہئے ٹھیک ہے تم اسی قابل ہو کہ وہ تم سے نفرت

کرے تم نے اس وقت سچھ جائیں کی تو ہیں کی تھے۔“

قاسم اُسے احقوں کی طرح دیکھتا ہوا ایک چینی چینی سی مسکراہٹ اس کے ہونزوں پر

نمودار ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہانہ تراشنا چاہتا ہو۔ اور حقیقتاً یہی ہوا بھی تھا۔

”تو پھر بتاؤ۔“ وہ نہستا ہوا بولا۔ ”کس طرح چیچا چھڑتا۔ ساربی تفریخ بر باد ہو کر رہ جاتی۔“

”نہیں جاؤ! ہرگز نہیں۔“ قیامت تک نہیں۔

”معاف! ہرگز نہیں۔“ قیامت تک نہیں۔

”اگر اس نے تمہارے باپ سے شکاہت کر دی تو۔“

”یاد تم کیوں! میری تفریخ بر باد کرنا چاہتے ہو۔“ قاسم بڑھاتا ہوا کار میں بیٹھ گیا۔ ”آن پڑ

نہیں کس کامنہ دیکھا تھا۔ ٹھیک یاد آیا۔... بیگم پارا کی تصویر تھی... یاد ہے بڑی کرا ری عورت۔“

سوئیمنگ کلب

سی شور سوئیمنگ کلب کا گھاٹ صرف ممبروں کے لئے تھا اور دونوں اُس کے باقاعدہ برج تھے آج چونکہ اتوار تھا اس لئے یہاں خاصی بھیڑ تھی اور خاص طور سے غیر ملکی لوگ زیادہ نظر آ رہے تھے۔

قاسِ گھاٹ پر پہنچتے ہی ہاتھ سے نکل گیا۔

”حمد بھائی! الا تم بڑی مگری ہے۔“ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑا یا۔ اشارہ ایک ایسی عورت کی طرف تھا جو سوئیمنگ ڈریس میں کسی چھپی نانگوں پر کھڑے ہوئے مینڈک رِ طرح لگ رہی تھی۔

اس بھیڑ میں شاید قاسِ ہی کا سب سے زیادہ قد آور جسم تھا اس لئے سب کی نظریں اس کے طرف اٹھ رہی تھیں۔ حید کو بڑا لف آ رہا تھا لیکن اس کی یہ تفریخ زیادہ دیر تک بڑھ کر اس کے کیونکہ اچانک اس بھیڑ میں اُسے ایک ایسا چہرہ دکھائی دیا جس سے بھاگ کر وہ یہاں آیا تھا۔ فریدی کا چہرہ تھا حید اس کی نظریوں سے پہنچ کی کوشش کرنے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی یہاں کیا کام؟ کیونکہ وہ اس قسم کی تفریحات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا حالانکہ وہ ایک نیز اک تھا لیکن عسل کے لئے بھی غسل نانے سے باہر قدم نہیں کلاتا تھا اسے اپنے جسم کے نہائش سے دلچسپی نہیں تھی پھر آخر وہ یہاں کیوں آیا تھا؟

حید پچھا رہا لیکن آخر فریدی کی نظر اس پر پڑنی گئی اور خلاف توقع حید نے اس کے چہرے جھنجلاہٹ کے آثار کے بجائے مسکراہٹ دیکھی... ایک معنی خیز مسکراہٹ پھر فریدی نے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

”مجھے توقع نہیں تھی کہ تم یہاں مل جاؤ گے۔“ فریدی مسکرا کر یہاں مل جاؤ۔

”چلے میں بھول جاؤں گا کہ آپ مجھے یہاں ملے تھے۔“ حید نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

”کہنے کس لڑکی کی نانگیں پسند آئیں۔“

”ابے تو کیا میں...!“

”صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں...“ حید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ بھی آخر آدمی ہیں... لیکن یوں چھپ کر... میرے خیال سے اس کی ضرورت نہیں۔“

”سنوا! فرزند میں یہاں نانگیں دیکھنے کے لئے نہیں آیا۔ میں گوشت خور ضرور ہوں۔ مگر آدم خور نہیں بکواس بند کرو اور کام کی باتیں کرو۔ اُس بھوری مونچھے والے انگریز کو دیکھ رہے ہوں اور وہ عورت جس نے پیوں دار سوئیمنگ ڈریس پہن رکھا ہے۔“

”ٹھہر ہے۔“ حیدہ تھہ اٹھا کر بولا۔ ”وہ جو زفیر تو نہیں ہے۔“

”تم ٹھیک سمجھے اور وہ عورت اُس کی بیوی ہے۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہے۔“ حید نے اسمانہ بنا کر بولا۔ ”کیا آپ جانتے ہیں کہ میں بھوکا پیاساگھر سے کیوں بھاگا تھا۔“

”اچھی طرح۔“ فریدی کے ہونٹوں پر خفیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”لیکن یہ تمہاری بُدھتی ہے کہ کام تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا اگر تم اس وقت جنم کا بھی رخ کرتے تو میں تمہیں وہیں ملتا۔“

”مجھے یقین ہے... اور میں جان بوجھ کر اُدھر کارخ د کرتا۔“

”غیر چھوڑو۔... تمہیں کم از کم دو گھنٹے تک ان دونوں کو یہیں روکتا ہے۔“ فریدی جب سے سگار کیس کا لاتا ہوا بولا۔

”کیوں....؟“

”میں ان کے مکان کی بے ضابطہ تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“

”کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ کل رات کو عرفانی کے مکان میں تھا تھا۔“

”نہیں وہ کسی تھے لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا...؟“

”غایباً آپ اسی چیز کے لئے تلاشی لینا چاہتے ہیں جو وہ عرفانی کے مکان سے لے گئے اگر وہ کسی تھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز جو زفیر کے مکان پر مل جائے۔“

”اسے بھجوڑو... اچھا تو میں چلا۔ خیال رکھنا۔ دو گھنٹوں سے قبل وہ سولہ بکھس لین میں داخل نہ ہونے پائیں۔“

لباس میں تودہ بالکل چیختی کی گڑیا معلوم ہو رہی تھی جو زفاف کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی وہ پانی میں چمچاتی ہوئی کرنوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ مہملا قاسم کے پہلا جیسے جسم کو گھوور رہی تھی۔ اکیلی وہی نہیں گھاٹ کی ورجنوں نگاہوں کا سرکز قاسم ہی تھا۔

حید اپنے پاس میں تمباکو بھرتا ہوا سوچ رہا تھا کہ کاش قاسم پوچھ اور ڈرپوک نہ ہوتا..... کاش اس میں عورتوں سے گفتگو کرنے کی صلاحیت ہوتی..... عورتوں کے معاملہ میں تودہ ضرورت سے زیادہ ڈرپوک واقع ہوا تھا جو کبھی کسی عورت سے گفتگو کرنے میں پہلی نہیں کر سکتا تھا اور نئی جان پیچان والی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت تو اس نری طرح اس کی سانس پھولنے لگتی تھی جیسے وہ کسی پہلا ڈرپوک پر چڑھ رہا ہو الفاظ زبان سے ادا ہونے کے بجائے حلق سے نکلنے لگئے تھے اور اسے بار بار تھوک ٹھکنا پڑتا تھا۔

حید یہ سوچ رہا تھا کہ اسے دھنٹا ایک عجیب وضع کا انگریز دکھائی دیا اس نے اپنے سر پر بیارس کے پنڈتوں کی سی زرد رنگ کی گپٹی باندھ رکھی تھی لیکن بیچے لباس انگریزوں ہی کا ساختا اس نے اپنے مانتھ پر تلک بھی لگا کر کھا تھا اور چہرے پر دلکشی معموریت تھی جیسی گوم تبدیل کے بھیسوں میں پائی جاتی ہے.... وہ بڑے شہزادہ انداز میں آہستہ آہستہ چلا ہوا اُسی چھتری کی طرف جا رہا تھا جس کے نیچے جو زفاف اور مہملا بیٹھے ہوئے تھے۔

”قاسم....!“ حید یہیک بولا۔ ”کیا تم اسے بھی جانتے ہو۔ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“
قاسم اسے دیکھ کر بے تھا شہر ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”پنڈتوں کی نقل کرتا ہے سالا مگر حید بھائی بڑا خوش قسمت ہے.... اسکی حسین لونگوں کے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں آتے ہیں کہ بس۔“ قاسم اپنے ہونٹ چائے لگا۔

”وہ کس طرح؟“ حید نے پوچھا۔

”ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتاتا ہے۔“

”کیا تم نے اسے یہاں اکثر دیکھا ہے۔“

”کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے....“ قاسم بولا۔ ”وہ دیکھ لوٹیوں کے پرے کے پرے اس کے پیچھے کھکھے گئے ہائے الائتم کیا مقدار ہے اور اپنی قسم تو شائد سور کی دال سے لکھی ہوئی ہے۔ آج میں بھی اس سالے کو اپنا ہاتھ دکھاؤں گا۔“

فریدی نے سگار سلاگا چند لمحے زمین پر نظریں جماعتے کچھ سوچتا رہا پھر دھنٹا و اپس جانے کے لئے مڑ گیا۔ حید کے لئے یہ مسئلہ تشویش ناک تھا وہ کس طرح انہیں روکے رکھتا۔ اس نے قاسم کو ٹالا ش کرنا شروع کر دیا۔ جو اس دوران میں کہیں چلا گیا تھا۔ حید نے سوچا ممکن ہے وہ کلب کی عمارت کے اندر چلا گیا ہو وہ وہیں نہیں کھہر کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس کی نظریں جو زفاف پیٹر اور اس کی بیوی کے تعاقب میں تھیں جو زفاف پیٹر چالیس پینتالیس سال کا ایک دبل اپلا آدمی تھا لیکن چال ڈھال سے کمزور جسم والا نہیں معلوم ہوتا تھا اور اس کی بیوی؟ اس کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہو گا کہ محض اس کی وجہ سے حید نے اتنے محنثے دل سے ان دونوں پر نگاہ رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا ورنہ وہ آج کسی سر کاری کام کے موڑ میں بالکل نہیں تھا۔

تحوڑی دیر بعد قاسم کلب کی عمارت سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے پیر اکی کالباس پہن لیا تھا حالانکہ اسے تیرنا بالکل نہیں آتا تھا اور نہ اس بنے کبھی پانی میں قدم رکھنے کی ہمت ہی کی تھی۔ دیسے وہ اس کلب کا باقاعدہ مجرم تھا اور یہاں کے سارے مجرموں سے بخوبی واقف تھے اور وہ بھی سب کو جانتا تھا۔ کلب کے دوسرا مجرم کی متعلق حید کی معلومات دا بجی ہی سی تھیں بہتیروں کو وہ بالکل ہی نہیں جانتا تھا۔

”قاسم....!“ حید جو زفاف پیٹر کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”وہ کون ہے؟“

”کیوں؟ ہے نا.... زوردار.... کتنی ہنگڑی ہے۔“ قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

”کیا تم اسے جانتے ہو؟“

”کیوں نہیں.... اس کا نام مہملا ہے اور میں اسے پیار سے پوکھتا ہوں۔“

”پوکھتے ہو۔“ حید نے جریت سے کہا۔ ”کیا وہ تم سے بے تکلف ہے۔“

”نہیں تو.... آج تک گفتگو بھی نہیں ہوئی میں.... یو نبی بس دل ہی دل میں پوکھتا ہوں۔“

”ہوں.... اور وہ اس کے ساتھ بھوری مونچھوں والا کون ہے۔“

”وہ اس کا شوہر جو زفاف ہے کاش میں بھی شوہر ہوتا۔“

”کسی فیل زادی کے۔“

قاسم نے کوئی جواب نہ دیا وہ بڑی توجہ اور لگادٹ سے مہملا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مہملا اور جو زفاف ریت پر چٹائی کی چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ مہملا کافی حسین تھی اور تیر اسکے

پنڈت نما انگریز جوزف کی چھتری کے نیچے پہنچ کر رک گیا اور اس کی بیوی نے اُسے دیکھ کر عجیب طرح کی آواز نکالی جوزف بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کے اس روئے کا محرک احترام کا جذبہ نہیں بلکہ خوف تھا۔

پنڈت نما انگریز نے اس کی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پچھے بڑا ناشروع کیا۔ اس کی نظریں چھیلی پر جھی ہوئی تھیں اور ہونٹ آہستہ مل رہے تھے۔ ساتھ ہی جوزف کے چہرے پر خوف کے آثار اور زیادہ گبرے ہوتے جا رہے تھے۔

دوسری لڑکیاں اس انگریز جو ٹشی کے گرد اکٹھا ہونے لگیں۔

حمدی نے دیکھا کہ جوزف بڑی تیزی سے اپنا سامان سیٹ رہا ہے۔

”دیکھ رہے ہو حمید بھائی۔“

”قاسِم...!“ حمید بوکھلائے ہوئے لبج میں بولا۔ ”کیا یہ اپنی کار پر آئے ہیں۔“

”ہاں...!“

”کار پہنچانتے ہو۔“

”ہاں کپوں نہیں۔ سرخ رنگ کی اسپورٹس کار ہے اور جب وہ سرخ رنگ کے اسکرٹ میں اُس پر پہنچتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ بھوٹی پر یہ بھوٹی سوار ہو۔“

”چلو! مجھے اس کی کار دکھاؤ۔“ حمید قاسِم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔

دونوں تیزی سے اُس شیڈ کی طرف بڑھے جس کے نیچے کاریں کھڑی کی جاتی تھیں۔

”کیا معاملہ ہے؟“ قاسِم نے بوکھلائے ہوئے لبج میں کہا۔

”بن مجھے دوڑ سے تم اس کی کار دکھا کر وہیں واپس چلے جانا جہاں تھے۔“

”شیڈ کے نیچے ایک سرخ رنگ کی اسپورٹس کار کے علاوہ دوسری نہیں تھی۔“

”وہی سرخ رنگ والی۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں! لپکن کیا بات ہے۔“

”پچھے نہیں! بس اب تم واپس جاؤ۔“

”نہیں جاتا۔“ قاسِم پھیل گیا۔

حمدی تیزی سے کار کی طرف بڑھا۔ اس پاس قاسِم کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ گھٹ کی طرف جا رہے تھے۔

بھی اس نے احتیاطاً چاروں طرف نظریں دوڑا کیں اور پھر کار کے انہیں پر جھک پڑا۔
قاسِم آنکھیں چھڑائے اُسے گھور رہا تھا۔

حمدی کی واپسی پر وہ تھوک نگل کر بولا۔ ”کیوں؟... پیرا غرق کر دیا تم نے۔“

”بکومت! آؤ چلیں۔“ حمید نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

”آخر اس کا کیا مطلب ہے۔“

”اُس عورت سے تمہارا تعارف کراؤں گا۔“

”نہیں کچھ گڑ بڑھے۔“

”ہو گی! تمہیں اس سے سروکار۔ اس معاملے میں زبان بند رکھنا۔“

”واہ... یہ اچھی رہی۔“ قاسِم چلتے چلتے رک گیا۔ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تم نے اس کی کار میں کچھ گھٹلا کیا ہے۔“

”تم جانتے ہو! میں کون ہوں۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”خوب جانتا ہوں... ہاں اب ذرا بہتا تو... کہ تم میری بیوی کو کس طرح پہچانتے ہو۔“

”میں نہیں بلکہ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔“

”تھیں سکی۔“

”تو اسی سے پوچھنا۔“

”پانی سر سے اوچا ہو چکا ہے۔“ قاسِم مٹھیاں بھیجن کر بولا۔ ”میں میلیا سے اسی طرح تعارف حاصل کروں گا کہ اُسے تمہاری حرکت بتاؤں۔“

”اس سے پہلے ہی تم جیل میں ہو گئے۔“ حمید یہ بیک سنیدہ ہو گیا۔ ”اور تمہارے باپ تمہاری ضمانت بھی نہ دے سکیں گے۔“

”کیوں...?“

”بس یہ نہیں! لیکن نہ ہو تو اس کا ارادہ کر کے دیکھ لو۔ اسی جگہ ہٹکڑیاں لگ جائیں گی۔ کشم کا

تحانہ دو رہیں ہے۔“

حمدی آگے بڑھ گیا۔ قاسِم چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بھی اس کے پیچے چلن پڑا۔ دونوں

حمدی تیزی سے کار کی طرف بڑھا۔ اس پاس قاسِم کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔

”بس مزہ ہی آجائے گا۔“ حمید اس کی پیٹھ پر ٹھوکتا ہوا بولا۔ ”تم دا قی بڑے عقل مند ہو۔ مجھے اس وقت ان لوگوں پر غصہ آ رہا ہے جو تمہیں یوں قوف کرتے ہیں۔“

”میرا تو دل چاہتا ہے کہ سالوں کے سر تو دوں۔“ قاسم دانت کچکا کر بولا۔

”اچھا تو جاؤ۔ مگر زیادہ نہ پینا۔ پھر میں تمہیں عشق کرنے کیلئے کئی بالکل نئے گر بتاؤں گا۔“

”تم نہ یوں گے۔“ قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔

”نہیں.... میں ذیوٹی پر ہوں۔“

”ہائیں.... اتوار کو بھی ذیوٹی۔“

”جاؤ بھی یاد... ورنہ وہ چلی جائے گی۔ میں نے اُسے تمہارے لئے منتخب کر لیا ہے۔“

قاسم احمقوں کی طرح پختا ہوا کلب کی عمارت کی طرف چلا گیا۔

اب حمید جوزف اور اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہو۔ دونوں ساہبین کے نیچے موجود تھے اور جوزف کار کے انجن پر جھکا ہوا تھا۔ حمید نے اطمینان کا سائنس لیا لیکن وہ پانچ چھ منٹ سے زیادہ مطمئن نہیں رہ سکا کیونکہ اب جوزف انجن بند کر کے سر زک کی طرف تھا جا رہا تھا اور اس کی بیوی پھر گھاٹ کی طرف واپس آ رہی تھی۔

”نیکیسی...!“ حمید نے سوچا۔ ”یقیناً وہ نیکی کرے گا۔ اگر نیکی مل گئی تو۔“

اُس کی بھجھ میں نیکی آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ آخر اچاک اُسے یہاں سے رخصت ہو جانے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ کیا وہ جو تھی؟ کیا اُس نے اسے کوئی بُری خبر سنائی تھی؟ وہ جو تھی کون ہے؟

وسرے لمحے میں حمید بُری تیزی سے کلب کی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اُس نے قاسم کی طرف بھی نہیں دیکھا جو ایک نیکین سے سر نکالے طرح طرح کے منہ بنایا کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ سیدھا ٹیلی فون آپریٹر کے کمرے میں چلا گیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں اسے جوزف پیٹر کافون نمبر تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کیونکہ لکس لین کوئی چھوٹی موٹی جگہ نہیں تھی۔ اس نے بُری تیزی سے نمبر ڈائل کئے اور رسیور کان سے لگایا۔

”تیللو...!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ لہجہ اگریزوں کا سا تھا۔

”کون بول رہا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

یہاں اگریز جو تھی اب بھی لاکیوں کے نرمے میں تھا جو زف اور اس کی بیوی کپڑے پہنچ کے تھے اور اب وہ موڑ والے ساہبین کی طرف جانے ہی والے تھے حمید نے لکھیوں سے قاسم کی طرف دیکھا جو بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ جوزف سے بتائے بغیر نہ رہے گا۔ اگر حمید اُسے معاملے کی نوعیت سمجھا دیتا تو شاید اُس بیچارے کو اس قسم کی جذباتی الجھن میں نہ مبتلا ہونا پڑتا۔

حمید نے سوچا کسی طرح اس کی توجہ جوزف اور اس کی بیوی سے ہٹانی چاہئے۔

”قاسم...!“

”ہوں...!“ قاسم ہونٹ سکوڑ کر غریا۔

”تو کیا تم کچھ سراغ رسان بننا چاہتے ہو۔“

”نہیں...!“ اس کی غراہت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

”جلیل جاؤ گے۔“

”سنوا! حمید بھائی... مجھے میرے ضمیر کی آواز پر بیشان کر رہتی ہے وہ بیچارے... کا اشارہ نہ ہوگی۔“

”اب تم اس واقعے کو بھول جاؤ... دیکھو... وہ لڑکی... جس کے بال اخروٹ کی رنگت کے بیں وہ تمہیں کس بُری طرح گھور رہی ہے بلکہ بھی بھی ہے۔“

”ہائیں...؟ کہاں؟“ قاسم بے ساختہ مڑل ”اوہ... مگر اخروٹ کی رنگت کہاں ہے۔ منقی کی رنگت نہیں یہ بھی نہیں۔ مگر آنکھیں تو چلغوڑہ جیسی ہیں۔ ہمے اس نے تو منہ پھیر لیا حمید بھائی۔

”پھر دیکھے گی۔ ذرا میری طرف دیکھو۔“ حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”ایسے موقع پر اپنی آنکھیں تھوڑی نیشنی بھالیا کرو۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“ قاسم نے بونے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ نہ پوچھو... لاکیاں اسی پر تو جان دیتی ہیں۔“

”مگر مجھ سے تو نہیں۔“ قاسم بے بی سے بولا۔ چند لمحے پکھ سوچتا رہا پھر یہک اس آنکھیں چکنے لگیں۔ اور وہ جپنی جپنی سی ہٹی کے ساتھ کہنے لگا۔ ”اگر دو تین پگ رم پی لوں کیسی رہے گی۔“

عجیب سانحہ

حید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔ مگر اب اس کے ہاتھ پر پھول رہے تھے۔ نش کی حالت میں پہاڑ جیسے آدمی کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا اور پھر معاملہ قاسم کا تھا جس کا ذہنی توازن کبھی کبھی پئے بغیر ہی بگز جاتا تھا۔

بہر حال اب اس نے بڑی شدود مسے اٹھنے کا تقاضہ شروع کر دیا تھا اور حید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ گھاٹ پر پیچ کر اُدھم نہ مچائے۔ جب اس نے اس طرح شور مچانا شروع کر دیا کہ کاؤنٹر کلر ک کوشکایت کرنی پڑی تو مجبوراً حید اٹھا۔ اُس کی آج کی شرارت خود اسی کے لئے وہاں جان ہو گئی تھی۔

قاسم نے باہر نکل کر حید کو پلٹا کر رونا شروع کر دیا۔

”تم نے بہت نورا... کیا غمید بھائی... کار میں گھٹالا کر دیا... ہائے پو... میری جان۔“
بہترے لوگ چوک کر انہیں گھوننے لگے۔

”قاسم ایک یا ہی یہودگی ہے۔“ حید اُس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔
”مجھے... روئینے دو... ہائے پو... میری جان۔“

کسی نہ کسی طرح حید خود کو چھڑا کر الگ ہٹ گیا۔ قاسم پھر لڑکھڑا تاہوا اس کی طرف بڑھا۔
”غمید بھائی... میرے پیارے بھائی... پوڈا رینگ کے بھائی... کار میں گڑ بڑ بھائی...
میرنی آنکھیں بھی ناشیلی... آخروٹ... اے آخروٹ۔“

بہت سے لوگ ان کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں حید سوچ رہا تھا کہ کاش زمین ہی پچھت جاتی۔

”پو... آ...“ قاسم نے تارزن کی طرح منہ پر ہاتھ رکھ کر فتحہ لگایا۔ پھر جیچ جیچ کرنے لگا۔ ”نیدیز ایڈ جنلبیمن آدم کو جنت سے کس نے نکلوایا... حید بھائی نے۔“

”ئے رک کر اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں پر اچھتی سی نظر ڈالی اور منہ دبا کر ہٹنے لگا۔
اے یہ تو قاسم ہے۔“ کسی نے مجھ سے کہا۔ ”خان بہادر عاصم کا لڑکا۔“

”ہا... ہے تو پھر۔“ قاسم سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر حرارت سے

”بو佐ف پٹر...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں ڈاکٹر زیڈ بول رہا ہوں... سمجھے۔“ حید نے انہیں میں تیر چالایا۔

”اوہ... اچھا... حید... کیا بات ہے۔“ اس بار بولنے والا اڑو میں بولا۔

”گز بڑ... میں نے بہت کوشش کی... لیکن وہ چل پڑا... تھا۔“

”کوئی بات نہیں... آنے دو... میں بھی اب جارہا ہوں۔ تمہاری سعادت مندی کا شکریہ... مگر یہ طریقہ جو تم نے اس وقت اختیار کیا ہے مخدوش بھی ہے ہو سکتا ہے کہ میں یہاں موجود نہ ہوتا۔“

حید نے بُر اسامنہ بنا لیا اور رسیور رکھ کر باہر نکل گیا۔ اس کے سر پر سے ایک بو جھ سائز گیا تھا اور اب اُسے زندگی پہلے ہی کی طرح حسین نظر آنے لگی تھی۔

ہاں میں پہنچ کر وہ قاسم کو ٹلانا شکر نکلنے لگا۔

”اوہ... آو... میری جان... حید بھائی۔“ قاسم ایک کمین سے منہ نکال کر بولا اس کی آنکھیں خطرناک حد تک نشیلی ہو گئی تھیں۔ حید نے اندازہ لگایا کہ وہ کئی پگ جھاڑ گیا ہے اور وہ بھی بھی جانتا تھا کہ قاسم اس محالے میں بالکل اناڑی ہے۔

”کیوں؟“ قاسم انگلی نچا کر جھومتا ہوا بولا۔ ”ہو گائیں تا... فائلن۔“

”بالکل بالکل...!“ حید نے اس کا شانہ تھکتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تم خاموش رہو گے۔ عشق صرف آنکھوں سے کیا جاتا ہے۔ ہونٹ بند۔ آنکھیں ہی سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔“

”تو پھر میں... اوٹھوں۔“ قاسم پھکو لے لیتا ہوا بولا۔ ”لیکن... مائیں کا سے اوٹھوں.... میرا سار... بائیں... میرا سار۔“

قاسم گھبراۓ ہوئے انداز میں اپنارٹمنٹ نکلے۔ حید سوچ رہا تھا کہ کہیں اب وہ عذاب جان نہ بن جائے۔ اس نے اُسے اس حال کو محض اس لئے پہنچایا تھا کہ کہیں وہ جیچ مسز جو佐ف سے جان پچھان نہ پیدا کر لے۔ قاسم کے ذہن میں بیٹھی ہوئی کسی بات کا نکال دینا برا مشکل کام تھا۔ اسی لئے حید نے اس رہا پر لگادیا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اُسے خرمیوں سے کس طرح روکے گا۔

”میرا سار... غمید بھائی۔“ قاسم نے ہمک لگائی۔

ہنس کر بولا۔ ”مستون پے... انگلیاں... نہ اٹھاؤ... بہار میں... اور اے پیارے بھائیو... حمیدو... بھائیو... پوڈار لنگ کا بیڑہ... غرق ہو گیا... کار میں گھٹالا... ہو گیا... آخروٹ ہو گیا... کسی کے بال آخروٹ کی طرح سخت ہیں... کسی کے گال رس گلے... اس قسم مجھے رس گلے بہت پند ہیں... میری بیوی... حمید بھائی کو اچھی طرح پیچانی ہے کہاں ہو پیارے بھائی۔“

وہ آنکھیں بند کر کے حمید کو خلا میں ٹھوٹ لئے لگا ساتھ ہی ساتھ وہ بڑھاتا بھی جا رہا تھا۔ ”پیارے حمید بھائی... نتم شوق سے میری بیوی کو پچانو... مگر تم نے پو... کا بیڑا... کیوں غرق کر دیا۔“

حمدی نے سوچا کہ اب یہاں شہرناٹھیک نہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قاسم نشہ اترنے کے بعد اس کی جان کو آجائے گا۔

سرک پر اسے کافی دور پیدل چلانا پڑا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ایک خالی ٹیکسی مل گئی ذردا اک طرف تو عموماً اپسی ہی کی ٹیکسیاں آتی تھیں۔

سب سے پہلے وہ خان و لا گیا کیونکہ وہاں اس کی موڑ سائیکل تھی۔ بہر حال وہاں سے گھر کو طرف واپسی میں وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے اس انگریز جو تشی کو نظر انداز کر کے عقل مندی، ثبوت نہیں دیا۔ اس کی ظاہری حالت ایسی ہی تھی کہ عام آدمی بھی اس کی شخصیت میں دلچسپی سکتے تھے۔

حمدی کو یقین تھا کہ جوزف اس جو تشی ہی کے کسی جملے پر بوکھلا کر وہاں سے بھاگا تھا۔ جو تشی د شخصیت اس کی نظروں میں پُر اسرار ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا حتیٰ کہ سی شور بیدنگل کلب میں بھی نہیں۔ قاسم کے بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آکے وہاں آتارہتا تھا۔ قاسم! حمید کی جھنجھلاہٹ پڑھ گئی۔ یہ سب کچھ اُسی کی بدولت ہوا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ فریدی سے اس جو تشی کا تذکرہ کرے گایا نہیں۔ حالات ایسے تھے جن کی بناء پر فریدی اس سے پوچھ سکتا تھا کہ اس نے جو تشی کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔ فریدی گھر میں موجود نہیں تھا۔ اس نے سوچا چلو غنیمت ہے۔ ابھی وہ کپڑے بھی نہیں اس پیارا تھا کہ میلی فون کی گھنٹی بھی۔ اس نے جھنجھلا کر اس نا معقول ایجاد کی طرف دیکھا۔ لیکن ریسیو،

ہر حال میں اٹھانا تھا ہو سکتا تھا کہ دوسرا طرف فریدی ہی ہو۔ ”کیا فریدی صاحب ہیں۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”نہیں....!“ حمید گردن جھٹک کر بولا۔ ”میں انور بول رہا ہوں۔“ ”بولے جاؤ! میں منع نہیں کرتا۔“ ”کیا حمید ہوا!“ ”تمہیں اس سے کیا غرض۔“ ”فریدی صاحب کہاں ہیں۔“ ”گوٹ کی جیب میں تو نہیں ہیں ہو سکتا ہے میز پر ہوں۔ یا پھر بھولے سے تمباکو کی تھیلی میں چلے گئے ہوں۔“ ”تم سید ہی طرح بات کیوں نہیں کرتے.... بیوو دے۔“ ”اچھا جی۔“ حمید سرخ ہو کر بولا۔ ”یہ تم بول رہے ہو۔ ہڈیاں دکھتی ہوں گی۔“ ”میں پوچھ رہا ہوں فریدی صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔“ ”ابے کیا میں فریدی صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔“ ”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ ”میں بھلا کیوں ہوش میں رہنے لگا ایک عورت کی کمائی کھاتا ہوں۔“ دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے بھی رسیو رکھ دیا۔ حمید کو اپنے آخری جملے پر بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ رشیدہ کے سلسلے میں انور پر چوٹ کر کے وہ ہمیشہ خوش ہوتا تھا۔ ویسے حقیقت تو یہ ہے کہ حمید کو ان دونوں کے تعلقات پر رشک آتا تھا۔ رشیدہ توچ بچ خود اس کے خوابوں کی تجیر تھی۔ جسے حالات نے انور کے حصے میں لاڈا تھا۔ حمید کپڑے اُتار کر غسل خانے کی طرف جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اور اس بار کال رسیو کرتے وقت وہ نبڑی طرح دانت پیس زہا تھا۔ لیکن اب کی دوسرا طرف سے نوائی آواز آئی تھی۔ حمید نے دانت پیس بند کر کے سامنے والی دیوار کو آنکھ ماری۔ ”بیلو... کیا حمید صاحب بول رہے ہیں۔“

”جمید ذیر... پلیز...!“

”نہیں مجبوری ہے... میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“

”تم بڑے سنگدل آدمی ہو۔“

”بجود چاہے کہو۔ میں فریدی صاحب کی اجازت کے بغیر نہیں بتا سکتا۔“

”تو ان سے پوچھ لو۔“

”اچھا... میں ان سے پوچھ کر تمہیں مطلع کر دوں گا۔ بر سینیل تذکرہ۔ کیا تم کسی ایسے انگریز جو تو شیخ سے واقف ہو جو بدارس کے پندتوں کی سی پگڑی سز پر باندھتا ہو... زرد پگڑی۔“

” بلاشبہ واقف ہوں۔ شاید تمہارا اشارة جیر اللہ شاستری کی طرف ہے۔“

”اوہ...! جیر اللہ شاستری۔“ جمید بڑو لالا۔ ”تو یہ وہی حضرت تھے۔“

”میا کہا... میں نہیں سمجھی۔“

”اچھا شید وہ میں بہت مشغول ہوں۔“ جمید نے کہا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

جمید سوچ میں پڑ گیا کہ اگر وہ حقیقتاً جیر اللہ شاستری ہی تھا تو اس پر کسی قسم کا شہمہ کرنا کہاں تک درست ہو گا۔ جمید نے اب تک صرف اس کا نام ہی سناتا۔ شہر کے تعلیم یافتہ طبقوں میں شاید ہی کوئی اپیارا ہو جس نے اس مشرق پرست انگریز کے متعلق کچھ نہ سنا ہو۔ وہ سنکرت کا بہت بڑا عالم اور جو اُش کا ماہر تھا اُنہوں نے اُس کی گھری نظر تھی۔ سنکرت اور ہندو فلسفے میں ریسرچ کرنے والے طباء اُس سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس پر شہمہ کرتے ہوئے انکلچاہت کی وجہ اور بھی تھی... اور وہ وجہ یہ تھی کہ وزیر اعظم اُس کے گھرے دوستوں میں سے تھے۔ جمید بڑی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ مگر واقعات... آخر جوز اچانک وہاں سے کیوں بھاگا۔ ظاہری حالات تو ایسے نہیں تھے جن کی بنا پر اُس کی وہاں سے اچانک رواںگی کو قرین قیاس سمجھا جا سکتا۔ وہ اُس کی بیوی تو بڑے اطمینان سے موسم کا لطف اٹھا رہے تھے اور اس وقت تک شاید انہوں نے پانی میں ایک غوطہ بھی نہیں لگایا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بھی۔ اس بار بھی رشیدہ ہی تھی۔

”تم نے جیر اللہ کے متعلق کیوں پوچھا تھا؟“ وہ پوچھ رہی تھی جمید چند لمحے ماٹھ پیس میں گھورتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”تم بڑی ذہین ہو رشیدہ...“ تم مجھ سے پوری بات پوچھ کرہی رہو گی۔

”فرمائیے... آپ کون ہیں۔“ جمید کے لجھ میں شہد کی نہریں بہرہ رہی تھیں۔

”رشیدہ...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اوہ...!“ جمید طویل سانس لے کر بولا۔ ”تواب تم بور کرو گی۔“

”تمہیں بہت دنوں سے نہیں دیکھا سخت بے چین ہوں۔“

جمید نہ اسامنہ بنا کر رہا گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ انور اپنے انہوں کے لئے کوئی ایسی خبر چاہتا ہے جو کسی دوسرے اخبار میں نہ ہو۔

”اوہ تم خاموش کیوں ہو گئے۔“ رشیدہ نے پھر پوچھا۔

”میں یہ سوچ رہا تھا کہ امریکہ نے ایک ایسا ٹیلی فون ایجاد کیا ہے جس پر بولنے والوں کی شکل بھی دکھائی دیا کرے لہذا قبل اس کے کہ وہ نامہ اور ایجاد ہمارے بیہاں تک پہنچے میں مر جانا چاہتا ہوں۔“

”اوہ! تو کیا واقعی بور ہو رہے ہو۔“ رشیدہ نے پوچھا۔

”تمہیں تواب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہاری سالگرہ پر تمہیں کیا تھنہ دوں۔“

”شکریہ! تمہیں میرا تناخیل ہے۔“

”ہاں رشیدہ۔“ جمید اس طرح بولا جیسے اُسے کچھ یاد آگیا ہو۔ ”میں خود تمہیں فون کرتا۔ تمہیں یاد ہے وہ کون سا سائب پ تھا جسے فریدی صاحب نے یہاں آئی لینڈ میں رائفل کا نشانہ بنایا تھا۔“

”جارا کا۔“

”جارا کا۔... ٹھیک... شکریہ۔“ جمید بولا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں... کوئی خاص بات نہیں۔“

”ضرور کچھ چھپا رہے ہو۔“

”بیتا تو دوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ تم پیٹ کی بہلی ہو۔ انور سے ضرور بتا دو گی۔ مگر نہیں۔“

”میں نہیں بتاؤں گا... انور کسی نئی چیز کے چکر میں ہے اُس نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔ ہو سکتا۔“

”کہ تم دونوں کی سازش ہو۔“

خیر سنوا لیکن انور سے ہر گز نہ بتاتا۔
”میں وعدہ کرتی ہوں۔“

حید پھر مسکرا لیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور اور رشیدہ کو دو مختلف شخصیتیں سمجھنا ممکن ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس وقت بھی فون پر گفتگو کرنے والا انور ہی رہا ہو۔ کیونکہ وہ آواز بدلنے پر پوری طرح قادر تھا۔

”اچھار شیدہ....!“ حید لمبی سانس لے کر بولا۔ ”مجھے تم پر اعتناد ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ عرفانی کے قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی... لیکن وہ انہیں نہیں مل سکی۔ حقیقتاً وہ ہمارے قبضے میں ہے۔“

”کیا چیز ہے؟“ رشیدہ کے لمحے میں اشتیاق تھا۔

”جبار اکا کاسانپ کی شکل کا ایک پیشی کاسانپ جس کے پھن پر حیر اللہ شاستری کا فوٹو نصب ہے۔“

”ذائق نہ کرو۔“

”تم میرا وقت بر باد کر رہی ہو رشیدہ۔“ حید بگڑ کر بولا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ رسیور کھکھ کر ہٹا ہی تھا کہ پھر گھنی بھی۔ اس بار مکاتبان کروہ ٹیلی فون کی طرف چھپتا۔

”کیوں خواہ خواہ بھیجا چاٹ رہی ہو۔“ حید ماڈ تھیں میں حلچ پھاڑ کر چینا۔

”کیا کواس ہے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی لیکن یہ کسی مرد کی تھی۔

”اوہ.... معاف کیجئے گا۔“ حید بو کھلا کر بولا۔ ”آپ کیا چاہتے ہیں۔“

”سولہ کنکس لین میں فوراً پہنچو... میں فریدی بول رہا ہوں۔“

حید ”بیلو ہیلو“ ہی کرتا رہ گیا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حید کی جھلائہ شباب پر تھی۔ مگر وہ کرہی کیا سکتا تھا۔ کنکس لین مک پہنچنے میں پندرہ منٹ صرف ہوئے اور یہ پندرہ منٹ کس طرح گزرے۔ حید کو اس کی خبر نہیں کیونکہ اس کا ذہن اس کی کھوپڑی سے ایک فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ سولہ نمبر کی عمارت کے سامنے اس نے موڑ سائکل روک دی۔

فریدی اندر موجود تھا اس نے بڑی سرد مہری سے اس کا ”استقبال“ کیا پھر وہ دو نوں ایک کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

حید کے منہ سے ہلکی سی جیخ نکل گئی۔ حالانکہ زمین پر چت پڑے ہوئے آدمی کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پہلی ہی نظر میں حید کو ایسا محسوس ہو گیا تھا کہ وہ لاش ہے۔ یہ جوزف پیٹر کی لاش تھی۔ اُس کے ہونٹ سکڑا گئے تھے اور آنکھیں چھپت کی طرف گھور رہی تھیں۔ چہرے پر خوف دہراں کے آثار بحمد ہو کر رہے تھے۔

”یہ کیسے ہوا....؟“ دفعاً نہید نے فریدی کی طرف بڑکر تیز قسم کی سرگوشی کی۔

”تمہارا فون ملتے ہی میں یہاں سے چلا گیا تھا۔ لیکن مکان کی گھر بھنی کے لئے وہ آدمی چھوڑ دیے تھے ان کا بیان ہے کہ جوزف بڑی سر اسیٹنگ کے عالم میں یہاں آیا تھا اور پھر شاید دو یا تین منٹ بعد انہوں نے عمارت میں ایک خوفناک جیخ سنی اور جب وہ یہاں آئے تو انہوں نے اس کو اسی حالت میں پایا۔“

”موت کا سبب....!“

”نامعلوم اجنم پر کوئی ذمہ نہیں ہے۔ البتہ گردن پر ایسے نشانات ملے ہیں جنہیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا... البتہ یہ دیکھو۔“

فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کیا جہاں بھورے رنگ کے بے شمار بال بکھرے ہوئے تھے۔ فریدی نے ایک بال چنگی میں لے کر حید کے چہرے کے سامنے کر دیا۔ یہ بال تقریباً چھ یا سات اچھے لمبارہا ہو گا۔

”کوئی عورت....!“ حید ہوتوں پر زبان پھیر کر بولا۔

”اگر یہ بال کسی عورت کے ہیں تو وہ یقیناً پچھ کی اولاد ہو گی۔“

”پھر....!“

”کسی عورت یا مرد کے بال اتنے سخت نہیں ہو سکتے اور دوسری بات یہ کہ کیا وہ عورت پوری عمارت میں اپناس کھجاتی پھری ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اس قسم کے بال کئی جگہ ملے ہیں لیکن اس کمرے میں سب سے زیادہ ہیں۔“

”پھر آپ نے کیا سمجھا ہے؟“

”پچھے نہیں.... ابھی میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“

"اُس کی بیوی واپس آئی۔"

"ہاں.... وہ اوپری منزل پر ہے اور اس نے ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں بتائی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ان معاملات سے لاءِ علم ہے۔"

"کن معاملات سے۔"

"میا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے یہاں کی تلاشی کیوں لی تھی۔"

"میں غیب داں تو نہیں۔" حمید جھنجلا گیا۔

مُحَمَّد ضرور ہو۔ کیا تمہیں کسی قمیش کا داد جیب یا نہیں جو ہمیں عرفانی صاحب کے یہاں ملا تھا۔

"اوہ.... تو کیا....!"

"مجھے وہ قمیش یہاں مل گئی ہے جس کا جیب غائب ہے۔ غالباً جدو ج دو راں میں عرفانی صاحب کا ہاتھ جیب پر پڑ گیا تھا۔ جوزف یو توف تھا جو اس کو ضائع نہیں کر دیا۔" فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر یاک پچ چونک کرو لا۔ "وہ یک ہیں سے بھاگا کیوں تھا۔" حمید نے مختصر اجیر اللہ شاستری والا واقعہ دہرا لی۔ اس دو راں میں فریدی کی نظریں لاش پر جو رہی تھیں اور اس کی پیشانی پر بار بار سلوٹیں پڑ جاتی تھیں۔

"جیر اللہ کے متعلق آپ کیسی رائے رکھتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"وہ ہمیشہ میرے لئے نہ اسرار رہا ہے مگر اتنا نہیں کہ میں اسے کسی قسم کے جرام سے متعلق سمجھوں۔"

"وہ ہے کیا لالا۔"

"اسے مشرقی علوم خصوصاً سنکرت اور فلسفے سے عشق ہے۔ انگلستان کے ایک معزز گھر سے تعلق رکھتا ہے محض اکتساب علم کے شوق میں اس نے اپنا خاندانی اعزاز اپنے چھوٹے بھائی اور سوپر کر مشرق کی راہی۔ ورنہ وہ اس وقت لارڈ آر تھر جیر اللہ ہوتا۔"

"اوہو....! تو کیا وہ لارڈ نکس جیر اللہ کا بھائی ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطیں.... چلواب ہمیں ایک بار پھر جوزف کی بیوی سے ملنائیں گے۔"

اوپری منزل پر بیٹھ کر وہ اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں میمیلیا تکیوں میں سرڈائے پڑا تھی۔ ان کی آہٹ پر چونک کر اس نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر غم کے بجائے خوف کے آئے۔

تھے۔ آنکھیں سرخ ضرور تھیں لیکن یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ روئے ہی کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں پھر تکلیف دے رہا ہوں۔" فریدی نے نرم لمحہ میں کہا۔
"کہنے... میں اس وقت ہوش میں نہیں ہوں۔"

"بیدنگ کلب میں جیر اللہ سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" میمیلیا یک یک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ خود بخود بڑیوارے لگی۔

"انہوں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ وہی ہوا۔... وہی ہوا۔"

"کیا کہا تھا۔" فریدی بولا۔

میمیلیا چند لمحے اپنی ویران آنکھیں پر خیال انداز میں فریدی کے دائیے شانے پر جمانے رہی پھر بولی۔ "انہوں نے کہا تھا.... کہ آج تم دونوں کو گھر سے نہ نکلتا چاہئے تھا۔ آج کادون تمہارے لئے انتہائی خطرناک ہے۔"

"اس سے اس کا کیا مطلب تھا۔"

"اوہ.... مطلب کیا اب بھی مطلب پوچھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔" میمیلیا نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"بچپنی رات.... میں نہیں جانتی۔ شاید وہ بائی سر کل ناٹ کلب میں تھا۔ تین بنجے واپس آیا تھا۔"

"میا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے بچپنی رات ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔"

"کیا...؟" میمیلیا چھل کر کھڑی ہو گئی اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئی تھیں۔
یک یک وہ بچ پڑی۔ "تم جھوٹے ہو۔... جوئی مہاتما بدھ کا اپنائیرو تھا۔... یہ بکواس ہے۔... نکل جاؤ یہاں سے۔" پھر وہ پاگلوں کی طرح حق پھاڑ پھاڑ کر چیننے لگی۔ "یہ وحشیوں کی سرز میں ہے۔... یہ جنگلیوں کی بستی ہے۔... یہ غلط ہے۔... مہاتما بدھ یہاں نہیں پیدا ہوئے تھے۔"

پُر اسرار جو تشتی

دوسری صبح سرجنٹ حمید اور اسپیزر فریدی، جیر اللہ شاستری کی قیام گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

فریدی نے اتنی سختی سے دانتوں پر دانت جدار کے تھے کہ اس کے جزوں کے مسلسل انہر آئے تھے اور اس کی آنکھیں سامنے سڑک پر گھور رہی تھیں۔ حمید نے اُسے ہکھیوں سے دیکھا اور نتھنے پھلا کر ”شون شون“ کرنے لگا۔ پھر اچانک چونک کربولا۔ ”بجھ میں نہیں آتا کہ یہ سارے انگریز بذہست کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔“

”ہوں....!“ فریدی بڑا بڑا۔ ”کل تم نے قاسم کے ساتھ شرات کی تھی۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا....؟“

”اُس نے آج صحیح فون پر تمہاری شکایت کی تھی۔“

حمدید ہنسنے لگا۔ اور پھر اُسے قاسم والا واقعہ دہرانا بھی پڑا۔

”تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ دوسروں کو ایسے معاملات میں شریک نہ کیا کرو۔“

فریدی بولا۔

”محوری تھی۔“ حمید پاپ میں تمباکر بھرتا ہوا بولا۔

کیڈی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بڑا نے لگا۔

”عرفانی کا نہ اسرار قتل.... کسی چیز کی تلاش.... مرنے والے نے نیشنل بنک کا نام لیا تھا۔

کیا وہ چیز قاتلوں کو نہیں مل سکی... کہیں عرفانی نے اُسے نیشنل بنک میں نہ رکھا ہو۔“

”میرا خیال ہے“ حمید بولا۔ ”جوزف کی موت عرفانی کی موت سے بھی زیادہ پر اسرار ہے۔“

آخروہ بال کیسے تھے۔“

”پتہ نہیں.... لیکن یہ تو صاف ہے کہ جوزف محض رازداری کے لئے مارا گیا۔ سازشیوں

کو بیکار کر دھڑکا کر کر پکڑا جائے گا۔“

”ہو سکتا ہے کہ انہیں اس بات کی اطلاع ہو گئی ہو۔“ آپ اس کے مکان کی تلاشی لے رہے ہیں۔“

”ہوں.... یہ تو بعد کی باتیں ہیں آخر وہ کیا چیز تھی جس کے لئے اتنا ہنگامہ ہو۔ قاتل اسے

تلاش کرنے میں منہک ہو گئے تھے کہ وہ عرفانی کو بالکل ہی بھول گئے تھی کہ ان کو خبر نہ

ہوئی کہ کب ان کا شکار ریگنا تھا اور اکمرے سے باہر نکل گیا۔“

”جوزف کی موت....!“ حمید بڑا بڑا۔

”اوہ نہ اسے فی الحال بھول جاؤ۔ مجھے بیکار ہے کہ اس کا قاتل اُس کے لئے نہ صرف ڈراؤنا بلکہ حیرت انگیز بھی تھا اور اس کی موت اتنی جلد واقع ہوئی کہ خوف و تحریر کے آثار مرنے سے قبل اس کے چہرے سے رفع نہ ہو سکے اور اپنے نشانات مرنے کے بعد بھی چھوڑ گئے۔ اسے بھی لکھ لو۔ پوست مارٹم کی روپورٹ عام نظریے سے مختلف ہو گی۔“

”یعنی....!“ حمید فریدی کو گھور کر بولا۔

”عام نظریہ یہ ہے کہ جوزف کو گلا گھونٹ کر مارا گیا لیکن پوست مارٹم کی روپورٹ دم گھٹ کر مرنے کی کہانی سنائے گی۔“

”یا آپ نے اس قسم کی کوئی ہدایت دی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں.... وہ روپورٹ قطعی درست ہو گی۔ ابھی تک میں معاملات کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکا۔ اس نے طریق کار متعین کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”آخر روپورٹ میں ہو گا کیا۔“

”موت کی وجہ، دم گھٹنے کے بجائے حرکت قلب کا اچانک بند ہو جانا ظاہر کرے گی۔“

”اور یہ روپورٹ پچی ہو گی۔“ حمید بڑا بڑا۔ ”لیکن وہ نشانات جو اسکی گرد پر پائے گئے ہیں۔“

”ہاں نشانات بھی تھے۔ لیکن موت خوف کی شدت سے واقع ہوئی۔“

”توہڑی دیر تک خاموشی رہی.... پھر فریدی نے پوچھا۔

”اس کی بیوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”ہے ہے! اچانک کا گلکڑا ہے ظالم۔“

”ہوں....!“ فریدی نے ہونٹ بھینچ لئے۔

”آپ نے تو دیکھا تھا اسے۔“ حمید لہک کر بولا۔ ”عسل کے لباس میں... کتنا سڑوں جنم ہے۔“

”ابے تو کیا میں اُس کے حصن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“ فریدی جھੁংਘলا گیا۔

”آپ پوچھیں یا نہ پوچھیں۔ مجھے کچی بات کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔“ حمید بھی اُسی لمحہ میں بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ ”مجھے اس بد نصیب عورت سے ہمدردی ہے۔“

”مجھے تو اسی میں شہس ہے کہ جوزف حقیقتاً اس کا شوہر تھا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”رہا ہو! یا نہ رہا ہو۔ لیکن میں یہ بات پورے اعتقاد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ جوزف کے

جمسے واقف نہیں تھی۔

”کس بناء پر کہہ رہے ہو۔“

”اس بناء پر کہ وہ اب تک زندہ ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ دوسرے لوگ بھی زندہ ہی ہوں گے جو.... جوزف کے ساتھ

تھے۔“ فریدی خشک لہجے میں بولا۔

حید نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا۔ ”جوزف کی موت اس لئے واقع ہوئی کہ کہیں پولیس

اس سے کچھ معلوم نہ کر لے۔ یہی چیز میمیلیا کے لئے بھی ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ ہم دوسرے

لوگوں کا پتہ نہیں لگا سکے۔“

”میمیلیا سے پولیس کچھ نہ معلوم کر سکے گی۔ اسی لئے وہ اب تک زندہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”جوزف یو تو قوف اور لاپرواہ آدمی تھا اگر وہ اپیانہ ہوتا تو اس قمیض کو ضائع کر دیتا وہ ذہنی طور پر

حقیقتاً ایسا ہی رہا ہوا کہ پولیس کو اس سے کافی مدد ملتی۔“

”باتوں میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔“ حید نے اتنا کہ بات ختم کرنے کے لئے کہا۔

”ویسے تم کشی میں مجھ سے جیت سکتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اوہ! خوب یاد آیا۔“ حید نے کہا۔ ”آپ فری اسٹبل کشی کے داؤن ٹیچ سے تو واقف ہی

ہوں گے۔“

”ہاں.... کیوں....؟“

”عنقریب فری اسٹبل کا ایک دنگل شروع ہونے والا ہے۔ مغربی ممالک کے پہلوان بھی

آرہے ہیں۔“

”پھر...!“

”میں قاسم کو کسی سے لڑانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ اس میدان میں ایک غیر

معروف آدمی ہے اس لئے میں کافی پیسے پیدا کرلوں گا۔“

”اچھا... یہ پیشہ کب سے اختیار کیا ہے۔“

”کیا حرج ہے اس میں.... کچھ احمدی رہنماؤں سے کچھ روپے وصول کرلوں۔“

”کس طرح وصول کرو گے۔“

”قاسم کی جوڑ پر شرط بدل کر۔“

”خیال نہیں۔ لیکن مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”آپ قاسم کو فری اسٹبل کے طریقے تائیے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ جیر اللہ کی قیام گاہ کے قریب پہنچ گئے تھے فریدی نے کیڈ لاک کو کپاڑتہ کے اندر لے جانے کے بجائے پھانک نہیں پر روک دیا اور وہ دونوں آٹر کے اندر چلے گئے برآمدے میں کوئی نہیں تھا فریدی نے آگے بڑھ کر گھٹنی بھائی۔

توڑی دیر بعد اندر قدموں کی آواز سنائی دی دروازہ ذرا سکھلا اور ایک دبلا پتلا انگریز جس کے گاؤں کی ہدیاں انگریز ہوئی تھیں۔ سر نکال کر برآمدے میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے اپنالا قاتی کا رذہ نکال کر اسکی طرف بڑھا یا نہ وہ لے کر کچھ بڑھا تاہو اندر چلا گیا۔

”اس کے نوکر بھی انگریز ہیں۔“ حید نے کہا۔

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کھٹا دروازہ پھر کھلا اور وہ دبلا پتلا قبر رسیدہ انگریز برآمدے میں نکل آیا۔ اس نے فریدی کا کارڈ اسے واپس کر دیا۔

”کیوں....؟“ فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں خادم نہیں ہوں۔ سمجھے تم....؟“ اس نے نہنچے پھلا کر منتاثتے ہوئے کہا۔ ”میں اس حرماں کا پرانی یوں سیکریٹری ہوں۔ سمجھے تم....؟“

”سمجا! میں لیکن میرا ملائقاتی کا رذہ اس تک کون پہنچائے گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”میں ہی حرماں پہنچاؤں گا۔ لیکن میں خادم نہیں ہوں۔“

”نہیں پیدارے تم تو راجد اندر ہو۔“ حید بولا۔

”کیا....؟“ انگریز نے پھر نہنچے پھلا کے۔

”کچھ نہیں....!“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”تو پھر میرا وزینگ کا رذہ اندر پہنچاؤ۔“

”تم اپنی قسم کا حال دریافت کرنے آئے ہوئے۔“ انگریز نے مہر اسماںہ بنا کر پوچھا۔

”ہاں.... ہاں....!“

”تو میں بتائے دیتا ہوں.... تمہاری پوری قوم کی قسم کا حال۔ تم ہمیشہ مغرب کے غلام رہو گے۔ تم جو ہاتھ کی لا یعنی لکیروں میں یقین رکھتے ہو.... سمجھے تم۔“

”سمجھا میں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا یہاں تمہارے اور حیراللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔“

”ایک بڑھی خادمہ بھی ہے اور مجھے بھی.... اس حرائی کی بدولت بعض اوقات خادم کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ وہ کتنا کافر زند نزاں کی تلاش میں ہے اس لئے زیادہ اخراجات نہیں بڑھاتا۔ بھی بھی مجھے جھوٹے برتن بھی صاف کرنے پڑتے ہیں۔“

”تو پھر تم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو۔“ فریدی نے حیرت سے پوچھا۔
”میں مجبور ہوں.... وہ ولد الحرام میرا باپ ہے۔ میرا نام.... بھی ہے.... لمکرت آر تھر۔“

”اوہ! بھی ڈیر... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“ حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”کیا تم بھی شاستری ہو۔“

”مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“ بھی خلاء میں مکالہ اکر چیخا۔ ”مجھے مشرق کی ہر چیز سے فرت ہے۔“
”جب تو ہم گھرے دوست ثابت ہوں گے۔“ حمید نے اس کا شانہ تھپٹھپا کر کہا۔ ”مجھے مغرب کی یالیاں بہت پسند ہیں کیا تمہارے ولد الحرام نے کوئی یالی بھی نہیں پیدا کی۔“
”یالی کیا....؟“

”اوہ مسٹر آر تھر.... براہ کرم میرا کارڈ پیچا دو۔“ فریدی جلدی سے بولا۔
”بھی نے کارڈ لے لیا اور اس کے پلے جانے کے بعد فریدی نے حمید سے کہا۔“

”واقعی تم بڑے سور ہو۔“
”نہیں آپ میرے بزرگ ہیں۔“ حمید سعادت مندانہ انداز میں شرمکار بولا۔ ”مجھے چھوڑ سو رکھا کیجیے۔“

فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اندر وہی راہداری میں پھر قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیکن اس بار ایک ایسا آدمی اندر سے نکلا کہ یہ دنوں چونکہ پڑے۔ آنے والا بھی تھوڑا سا ٹھٹھا لیکن پھر خفیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”بیلو آفسرز.... اوھر کہاں۔“

”اوہ ہو مسٹر برناڑ...!“ فریدی نے فس کر کہا۔ ”ذر امیری ہتھی میں آج کل ایک نئی کیمپ پیدا ہو گئی ہے۔“

”کہیں وہ موت کی نہ ہو۔“ برناڑ نے تشویش ناک لمحہ میں کہا۔
”نہیں مسٹر برناڑ میں نے تم پر چوٹ نہیں کی۔ تم تو بڑے معزز آدمی ہو۔“
”مجھ سے بھی زیادہ معزز...!“ حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔
”چیز یو....!“ برناڑ ہنستا اور ہاتھ ہلاکتا ہوا چلا گیا۔
”یہ یہاں کیے تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ممکن ہے یہ بھی بدھست ہو گیا ہو۔“ فریدی نہیں کر بولا۔ ”اوہ مسٹر بھی تشریف لارہے ہیں۔“
لبھی نے دروازے سے سر نکال کر کہا۔ ”چلو...!“ اور پھر تیزی سے واپسی کے لئے مڑ گیا۔
حمدی اور فریدی اس کے پیچھے جا رہے تھے ایک کمرے کے سامنے وہ رک گیا اور چہرے پر بیزاری کے آثار پیدا کر کے بولا۔ ”یہاں نیٹھو۔“

وہ دونوں کمرے کے اندر پلے گئے۔ یہ غالباً درائیگ روم تھا لیکن یہاں فرنچس نہیں تھا۔
انہیں قالینوں کے فرش پر بیٹھنا پڑا۔ جہاں دو چار گاؤں تکے بھی پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر مہاتما بدھ، تلسی داس، کبیر داس، میرا، گاندھی جی وغیرہ کی بڑی بڑی تصویریں آؤیں اس تھیں ایک طرف بخوردان میں وہ خوشبویات سلگ رہی تھیں جو ہون میں استعمال کی جاتی ہیں۔ بہر حال ماحول کچھ عجیب ساتھ۔

توڑی دیر بعد حیراللہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے جسم پر سفید سوٹ تھا اور سر پر وہی بنارسی وضع کی پیلی گپڑی تھی اور ما تھے پر تلک بھی موجود تھا حیراللہ کا پچھرہ عجیب تھا۔ حمید کا نسبت ایٹھا۔ اس کے چہرے کے خدو خال اور آنکھوں میں ہم آنکھی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں چہرے سے بالکل ہی بے تعلق نظر آتی تھیں۔ خدو خال میں تیکھے پن کے بجائے زماہٹ تھی لیکن آنکھیں.... ان میں تو کچھ نہیں تھا غالی خالی سی... ویران آنکھیں.... جن میں چک نہیں تھی لیکن پھر بھی یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ ششی کی میں اور ان کے آرپار دیکھا جا سکتا ہے ایک لکھٹے کے لئے وہ آنکھیں ان کے چہروں پر رکیں اور پھر ہٹ کر بخوردان پر جم گئیں۔

حمدی سوچنے لگا کہ کیا وہ اندھا ہے۔ حیراللہ کے ہونوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن اس کی آنکھیں بدستور بخوردان پر جمی رہیں۔
فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔

"اوہ تو شریف رکھئے۔" جیراللہ بڑی صاف شفاف اردو میں بولا۔ "آرام سے جوتے اُتار کر شریف رکھئے۔ مجھے اپنے مشرقی بھائیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ایک بہت ہی اہم معاملے میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور.... میں نے آپ کے کارڈ میں آپ کا عہدہ دیکھا ہے۔" وہ تیوں گاؤں کے سے لگ کر بیٹھ گئے جیہد کی آنکھیں بدستور جیراللہ کے چہرے پر جی ہوئی تھیں جو ان دونوں میں سے کسی کی بھی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اب اس کی نظریں بخور دان سے ہٹ کر میرا کی تصویر پر جم گئیں تھیں۔

"کل ایک آدمی کی موت بڑے پر اسرار طریقے پر واقع ہو گئی۔ پولیس اس کے لئے پریشان ہے۔" فریدی بولا۔

"پر اسرار طریقہ پر۔" جیراللہ آہستہ سے بولا۔ "اگر مجھے اس کی پیدائش کا صحیح وقت دن اور تاریخ معلوم ہو جائیں تو میں اس پر اسرار طریقے پر روشنی ڈال سکوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اُسے جانتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔
"میں جانتا ہوں۔" جیراللہ نے سوالیہ انداز میں دہرا لی۔ اب اس کی نظریں میرا کی تصویر سے ہٹ کر پھر بخور دان پر جم گئی تھیں۔

"جی ہاں! جوزف پیٹر ہے آپ نے کل اس کے مستقل کے متعلق کچھ بتایا تھا۔"
"ٹھہریے۔" جیراللہ بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے کہنے دیجئے۔ میں سمجھ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک عجیب و غریب ہاتھ تھا کل میں نے ایک نوجوان جوڑے کے ہاتھ دیکھے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ آج کا دن ان کے لئے خطناک ہے اور میں آپ کو بتاؤں مرد کے ہاتھ کی ایک لکیر بتاتی تھی کہ وہ کسی عجیب و غریب درندے کا شکار ہو گا۔ اور ستارے کہہ رہے تھے وہ منہوس دن یہی ہے۔"

"اور اس کی بیوی وہیں رہ گئی تھی۔" فریدی بولا۔
"میں نے دونوں سے کہا تھا کہ وہ گھر پلے جائیں۔"
"کیا ستاروں نے نہیں بتایا تھا کہ اس کی موت گھر ہی پر واقع ہو گی۔"

جنگل کی آگ

"جانب من وہ کہیں نہیں تھے سکتا تھا مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔" جیراللہ نے مسکرا کر کہا۔
جیہد کی نظریں اب بھی جیراللہ کے چہرے پر تھیں اور اس نے اس کے چہرے پر اب تک کسی قسم کا جذبائی تغیر نہیں محسوس کیا تھا۔ حتیٰ کہ مسکراتے وقت بھی اس کی آنکھیں پہلے کی طرح سپاٹ رہی تھیں۔

"اور دوسری بات۔" جیراللہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ آدمی خود بھی قاتل تھا۔ اس کے ہاتھ کی ایک لکیر یہ بھی بتاتی تھی۔"
"مجھے اسی کا توافق ہے۔" فریدی نے چھتے ہوئے لبھے میں کہا۔ "جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ قاتل ہے۔ تو وہ خود قتل کر دیا گیا۔"

"کیا بیوتوں مہیا ہو گیا تھا۔" جیراللہ نے پوچھا۔
"قطعی! ایک منٹ کی بھی مہلت نہ ملتی۔"
"عجیب بات ہے آج کل کشت و خون کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔" جیراللہ بولا۔ "دنیا جاہی کی طرف جا رہی ہے۔" مجھتر فیصلی ہاتھوں میں مجھے اذیت پسندانہ رجحانات کی لکیریں نظر آتی ہیں۔
مہاتما بدھ کی تعلیمات عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔"

"مجھے خوب ہے کہ انگریزوں میں بدھ ازم بڑی تیزی پھیل رہا ہے۔" فریدی نے سرہا کر کر کہا۔ "کیا یہ بردار ڈھنپی بدھ ازم متاثر ہے۔"

"وہ آہستہ آہستہ راہ راست پر آ رہا ہے کیا آپ اُ جانتے ہیں؟"
"جی ہاں! اچھی طرح۔"

"وہ اب ایک اچھا آدمی بننے کی کو کر رہا ہے۔" جیراللہ نے کہا۔ "حالاً کہ اس کے ہاتھ میں بھی ایسی لکیریں ہیں جو اس کو قاتل ثابت کریں گے۔"

"مگر افسوس ہے کہ پولیس ہاتھ کی لکیریوں والے علم بے بہرہ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن بردار جلد ہی اپنی راہ تلاش کر لے گا۔ وہ راہ جو پھانسی کے تختے تک جاتی ہے۔"

"اس کے ہاتھ میں اس قسم کی کوئی لکیر نہیں۔" جیراللہ بولا۔
"میں نے عرض کیا تاکہ پولیس اس علم بے بہرہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ جوزف کو کب جانتے تھے۔"

”یہ آپ کیوں پوچھنا چاہتے ہیں۔“ جیراللہ نے ہس کر کہا۔ ”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ہو وہ درندہ تھا۔“

”معاف کجئے گا۔ میں آپ کی بہت قدر کرتا ہوں۔“

”شکریہ.....! جوزف کو میں زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن مجھے اس کا علم ہے کہ وہ بھی بدھست تھا۔“

”اور اس کے باوجود بھی اس نے عرفانی کے قتل میں حصہ لیا۔“ فریدی کا لمحہ طنزیہ تھا۔

”عرفانی.... وہ تو شاید ابھی حال ہی کا واقعہ ہے۔“

”جی ہاں! غالباً آپ نے خبرات میں پڑھا ہوگا۔ کیا آپ کا علم یہ تسلکتا ہے کہ عرفانی کے قاتلوں کو کس چیز کی تلاش تھی۔“

”افسوں کہ یہ بات میرے علم کے احاطے سے باہر ہے۔“ جیراللہ نے کہا۔ ”لیکن میں آپ کا ہاتھ دیکھ کر یہ ضرور بتاسکتا ہوں کہ آپ اس کیس میں کامیاب ہوں گے یا نہیں۔“

”شکریہ! مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔“ فریدی خشک لبجھ میں بولا۔ ”میں خود ہی اپنے ہاتھ کی لکیریں بنتا اور بگاڑتا رہتا ہوں۔ میرا ہاتھ میری قوتِ ارادی کا پابند ہے۔“

”تب تو آپ واقعی باکمال آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ جیراللہ سنجیدگی سے بولا۔ ”اصل حقیقت تو یہی ہے کہ لکیریں کا بننا بگوٹنا آدمی کے خیالات پر منحصر ہے باحوصلہ آدمیوں کے ہاتھوں میں مایوسی کی لکیریں نہیں ہوتیں۔“

”چھا!! اب اجازت چاہوں گا۔“ فریدی امتحانا بولا۔ ”تکلیفِ دہی کی مخفافی چاہتا ہوں۔“

”اوہ کوئی بات نہیں۔“ جیراللہ اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔ ”پھر بھی ملتے رہئے گا۔“

”آپ کی شخصیت اتنی پرکشش ہے کہ مٹا ہی پڑے گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن حیداں زہریلی مسکراہٹ سے اچھی طرح واقف تھا۔“

عرفانی کاراز

سرجنٹ حید آفس میں زیادہ تر عشقیہ ناول پڑھا کر تھا اس کی میز فریدی کی میز کے ساتھی۔ اس وقت بھی وہ اردو کے ایک پڑپتھر مسئلے دار بلکہ خشنہ کارے عشقیہ ناول میں مگن

اور فریدی ایک ایسے چھوٹے سے پیکٹ کو ادھیز نے میں مشغول تھا جو ابھی رجڑ پوسٹ سے اس کے نام آیا تھا۔

دفعۂ تھامنے اس ناول کو تیج سے چھاڑ دیا۔ جھر انماجو ہوا تو فریدی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

”کیا بیہودگی ہے۔“ فریدی جھنمحلہ کر کر بولا۔

”بیہودگی میری نہیں بلکہ ان پیسوں کی ہے جو اس ناول کے لئے میری جیب سے نکلے تھے۔“

”میں نے تمہیں ہزار بار منع کر دیا کہ آفس میں ناول نہ پڑھا کرو۔“

”جبور آپ پڑھنا پڑتا ہے۔“ حمید ب سور کر بولا۔ ”فقط خون گرم رکھنے کا بہانہ۔ خدا کی قسم ان ناولوں کو پڑھ کر خون گرم ہوتا ہے۔ غصہ آتا ہے اور مر نے مارنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ اب اسی ناول کا آخری منظر ملاحظہ فرمائیے۔ سورج پہاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔ دھنڈ پھیل گئی۔ دو دھنڈے سائے ایک دوسرے سے چکے ہوئے پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ وہ دور ہوتے گئے اور سرجنٹ حید آفس کا پڑھا چیختا ہی رہ گیا کہ ابے میرے ساڑھے تین روپے تو دیتے جاؤ۔“

فریدی جھلامہٹ کے باوجود بھی سکرا پڑا اور حمید بکتا رہا۔ ”کیا میں ساڑھے تین روپے اس کے لئے خرچ کرتا ہوں کہ ہیرا اور ہیر و دن کی پہاڑی پر چڑھ جائیں۔ اس ناول میں ہیر و دن کا باپ دھوکے سے ہیر و دن کی ماں سے شادی کر لیتا ہے جب یہ راز کھلتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ ناٹ کر بر ار ہو جاتا ہے اور وہ ماں سے غم کے ایک اور شادی کر لیتا ہے۔ لیکن اتفاق سے وہ بھی ہیر و دن کی ماں نکتی ہے اب یہاں سے کس پس شروع ہوتا ہے آخر ہیر و دن کی اصلی ماں کون تھی۔ ہیر و دن کو ماں کھاتا تھا اور آخر میں جب یہ راز کھلتا ہے ساری دنیا اگست بدندنا رہ جاتی ہے ان میں سے ایک دراصل....!“

”بکواس بندر کرو۔“

”دل کا بخار نکال لینے دیجئے ورنہ مجھے برانکائیش ہو جائے گا۔“

”خاموش رہو۔“ فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ پیکٹ کھول چکا تھا اور اس میں سے برآمد ہونے والے کافنڈ کے دلکھرے اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اور وہ تھیر آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا اس پیکٹ سے کوئی غمزدہ بکری برآمد ہوئی ہے۔“ سرجنٹ حید نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

”نہیں... جس چیز کی تلاش تھی وہ نیشنل بنک ہی میں ہے۔“
”کیا الہام ہوا ہے...!“ حمید بھنا کر بولا۔
”مت بور کرو۔“ فریدی نے پیرازی سے کہا ”عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔“

”ہمیں تو کیا وہ بہرام کی لاش تھی۔“ حمیداً چھل کر بولا۔
”بکواس بند کرو۔ یہ ذیکھو۔“ فریدی نے جیب نٹول کر ایک کاغذ کالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔
کاغذ پر تحریر تھا۔
”فریدی! اگر مجھے کوئی جادش پیش آجائے تو اسے نیشنل بنک کی سیف سے نکال لینا۔ کنجی اور سیف کے شدی کی رسید روانہ کر رہا ہوں۔ اگر میری گشادگی کی خبر سنو تو کم از کم ایک ہفتے تک انتظار کرو۔ اگر میری طرف سے تمہیں کوئی اطلاع ملے تو اسے دہیں رہنے دیتا۔... اگر ہفتے کے بعد بھی میرے متعلق کچھ نہ سنو تو پھر تمہیں اختیار ہے اسے ضرور بالضرور نکال لینا۔ لیکن رازداری شرط ہے کہیں کو کافیوں کا ان خبر نہ ہو ورنہ میری یعنی طرح تمہیں بھی وصیت کرنے پڑے گی۔“
”یعنی عرفانی کا نام تحریر تھا اور اس کے نیچے تاریخ درج تھی۔“

”یہ تاریخ اُسی دن کی ہے جس رات عرفانی کو جادش پیش آیا۔“ فریدی بولا۔
”یعنی اُسے پہلے ہی سے خطرے کا احساس تھا۔“ حمید نے تحریر آپر لجھ میں کہا۔
”اگر نہ ہوتا تو مجھے یہ سب کچھ بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“
”اچھا... دوسری بات!“ حمید فریدی کو کاغذ واپس کرتا ہوا بولا۔ ”یہ خط بتاتا ہے کہ وہ چیز سیف کے شدی میں ہے اور آپ کی کچھلی تحقیقات کا حاصل یہ تھا کہ عرفانی نے نیشنل بنک کی سیف کے شدی میں کوئی چیز رکھا تھی ہی نہیں تھی۔“

”ٹھیک ہے فرزند اسی لئے تو کہا تھا کہ عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ نیشنل بنک کی محفوظ تجویری انپکٹر احمد کمال فریدی کے نام سے کراچے پر لی گئی تھی۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا آپ کو۔“
”تم ذیوٹ ہو کیا؟“ فریدی بگڑ کر بولا۔ ”کیا رسید پر تجویری حاصل کرنے والے کا نام نہیں

”نہیں ماون گے تو میں دھکے دے کر باہر نکال دوں گا۔“ فریدی نے کاغذات پیکٹ سیست جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔
پھر حمید نے اسے مظہربانہ انداز میں ٹھیلتے دیکھا۔ کئی بار رک کر اُس نے فون کرنے کے لئے رسیور بھی اٹھایا لیکن پھر رکھ دیا۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے سمجھی گی سے پوچھا۔
”غم چلیں گے۔“ فریدی نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ابھی تین ہی بجے تھے اور آفس ختم ہونے کا وقت سارے چار تھا مگر یہ بات حمید کے لئے غیر معمولی تھی کیونکہ فریدی آفس میں بہت ہی کم بیٹھتا تھا۔
”نہیں گھر نہیں۔“ فریدی برآمدے میں پہنچ کر بولا۔ ”نیشنل بنک وقت بہت کم ہے۔ ہمیں تیز چلنا پڑے گا۔“

نیشنل بنک کے نام پر حمید چونکا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اب نیشنل بنک جانے کی ضرورت کیوں پیش آئی جب کہ فریدی پہلے ہی وہاں تحقیقات کرچکا تھا تھے صرف تحقیقات کرچکا تھا بلکہ مایوس بھی ہوچکا تھا۔

مرنے سے قبل عرفانی نے نیشنل بنک کا نام لیا تھا اس لئے خیال پیدا ہوا تھا کہ ممکن ہے عرفانی نے وہ میرا اسرار چیز جس کی قاتلوں کو تلاش تھی نیشنل بنک میں رکھا دی ہو۔ لیکن وہاں تحقیقات کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہاں عرفانی کے روپے ضرور جمع تھے لیکن اُس نے کوئی چیز سیف کے شدی میں رکھوائی تھی۔

فریدی کی کیڈی لاک سڑک پر فرائٹ بھر رہی تھی اور اس وقت بچہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ٹریک پولیس کے ایک آدھ کا نیشنل کو جان ہی سے مار ڈالے۔ چوراہوں سے گزرتے وقت جب کا نیشنل ہاتھ دے کر ایک طرف کے ٹریک رکوادیتے فریدی کا لیکچہ خون ہو جاتا۔... وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں بک بندہ ہو جائے۔

”کیا مصیبت آگئی۔“ دھلتا حمید بڑی لایا۔ ”کہیں ایکسٹرنس فرمادیجے گا۔“ اخراج یک بیک نیشنل بنک کی کیوں سو جھی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عرفانی چند ہزار روپیوں کے لئے قتل کرے گیا ہے اور قاتل کو دراصل وصیت نامے کی تلاش تھی۔“

لکھا جاتا۔

رسید پر آپ کا نام ہے۔ ”حید نے احتقانوں کی طرح پوچھا۔

”ہاں... ہاں... ہاں۔“ فریدی جھپٹلا گیا۔ ”اب یہ بھی پوچھو کہ نام کے بچے کیا ہیں۔“

”اب دیکھتے... تجوری سے خونی ہیرا برآمد ہوتا ہے یا لکڑا جاسوس۔“ حید مخفکہ ازانے والے انداز میں بولا۔ ”فوناچو کی بندیریا نہیں ہے یا پی کے جیو نہیں۔“

”یا تمہارا جتازہ۔“

”ہائے ہائے آپ تو کسی نو عروس یوہ کی طرح کلکار ہے ہیں۔“ حید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ فریدی دانت پیس کر رہ گیا اور حید نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ اب خاموش ہی رہے کیونکہ ابھی کیڈی ایک چرخ گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے پی تھی۔ بک بند ہونے میں صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا اور اس وقت سیف کھڑکی کا معاملہ گھٹائے ہی میں پڑ چاتا۔ اگر فریدی نے شہر کو اپنے کام کی سرکاری اہمیت نہ سمجھا تو شروع کر دی ہوتی۔

رسید پر پڑے ہوئے نمبر والی تجوری کھوئی گئی۔ ایک بڑا سالفاٹہ برآمد ہوا جس پر فریدی کا نام تحریر تھا۔ حید نے اسے ہاتھ پر رکھ کر اس کے وزن کا اندازہ لگایا اور مایوسانہ انداز میں ہونٹ سکوڑ کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

واپسی پر شہر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ مسٹر عرفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق تفیش کرنے کے لئے آپ ہی تشریف لائے تھے۔“

”جی ہاں...“ فریدی نے کہا۔

”تو براہ کرم یہ بتائیے کہ یہ چونہ کب تک چلتا ہے گا۔“

”کیوں...!“

”میں عاجز آگئیا ہوں۔ لیکن پوچھنے والے صرف یہی پوچھتے ہیں کہ عرفانی نے سیف کھڑکی میں تو کوئی چیز نہیں رکھوائی تھی۔“

”کیا میرے علاوہ بھی کسی نے پوچھا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”پڑھنے کرنے آئے اور مغز چاٹ کر چلے گئے۔“

”اوہ...!“ فریدی سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔ ”کیا پولیس والے تھے۔“

”جی نہیں! عرفانی کے بھائی سمجھتے! بھائیجے داماد نو اسے اور نہ جانے کیا کیا الٹا لٹا۔ میرا الردی تو اتنا پریشان ہو گیا ہے کہ اب میرے پاس آنے والے ہر آدمی سے پوچھ بیٹھتا ہے کہ وہ عرفانی کا کوئی رشتہ دار تو نہیں۔“

”اوہ...!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا بیٹھنے اگر اب اس قسم کا کوئی آدمی آئے تو اسے روک کر مجھے فون کر دیجئے گا۔“

”آخر معاملہ کیا ہے! عرفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔“

”آپ نے اخبارات میں تو عرفانی کے متعلق پڑھا ہی ہو گا۔“ فریدی بولا۔ ”در اصل ان کے قاتلوں کو چند نادر و نیاب ہیروں کی تلاش تھی لیکن وہ انہیں نہیں مل سکے۔ اب غالباً وہی لوگ مختلف بکوں میں پڑتے لگاتے پھر رہے ہیں۔ ان کی دانست میں عرفانی نے انہیں بھروں کو کسی بہک ہی میں رکھ چوڑا تھا۔“

”اوہ یہ بات ہے۔ میں آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔ آپ کا فون نمبر۔“

حید نے فون کے نمبر لکھا دیئے۔ واپسی پر حید کی بوکھلا ہنسی قبل دید تھیں۔

”ترے تو کھولئے تا اس لفافے کو۔“ اس نے کہا۔

”مگر پہنچ کر...!“ فریدی بڑھا دیا۔

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔“ حید مغضربانہ انداز میں بڑھا دیا۔ ”اگر عرفانی خود کو خطرے میں سمجھ رہا تھا تو اس نے پہلے ہی آپ کو یا پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی اور وہ یہ لفافہ آپ تک اپنی زندگی میں بھی پہنچا سکتا تھا۔“

”آن کے خط کو دوبارہ پڑھو۔ آن کے اس طریقے کارے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس راز میں مجھے بدرجہ مجبوری شریک کیا ہے۔ اگر وہ اس ناگزیر خطرے میں نہ پڑتے تو مجھے اس کی کافی خبر بھی نہ ہوتی صاف لکھا ہے کہ بیشتر بک سے وہ چیز اُسی وقت نکلوائی جا سکتی ہے جب انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے... ورنہ نہیں۔“

”ارے تو وہ کیا چیز ہے! کھولئے لفافہ ورنہ میرا دم الٹ جائے گا۔“

”بے صبری نہیں... اس میں ہیرے نہیں ہیں۔“

”کچھ بھی ہو لیکن اس سے دو خون وابستہ ہیں۔“ حید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ایک بات سمجھ

میں نہیں آتی کہ وہ عجیب و غریب درندہ جو زف کے مکان میں کس طرح زاٹل ہوا۔ ظاہر ہے کہ لنسکس لین کافی گنجان آباد ہے اور اس کی پشت پر بھی عمارتوں کا سلسلہ ہے۔ تجھ بے کہ کسی نے اسے دیکھا نہیں۔“

”اوہ کیا تمہیں وہ بن ماش یاد نہیں جو لا طینی سایوں تھے۔“

”تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی آدمی کسی درندے کی کھال پہن کر جو زف کے سامنے پہنچا جائے دیکھ کر وہ خوف کے مارے مر گیا۔“

”میں تو یہی سمجھتا ہوں۔“

”اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو پھر آپ کی نظر وہ میں چرالڈ سو فیصدی مشتبہ ہو گا کیوں کہ اس نے تو جو زف کو گھر بھجا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح ہو۔“

”اگر یہ ہو سکتا ہے تب تو میرا یہہ باقاعدہ طور پر غرق ہو گیا میں دوبارہ اس خوفناک آدمی کو قریب سے دیکھنے کی ہمت نہ کر سکوں گا۔“

”کیوں! کیا غاصی بات ہے اس میں۔“ فریدی لاپرواٹی سے بولا۔

”اس کی آنکھیں.... خدا کی پناہ.... اس کا چہرہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔ آنکھوں ہی کے بناوٹ پر دوسرے خدوخال کی نرمی یا تندی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ مگر وہاں دونوں میں بے ربطی ہے آنکھیں خوفناک اور چہرے کے خدوخال مخصوصیت کے حامل ہیں۔“

”ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی۔“ فریدی بڑی بڑیا۔

گھر پہنچ کر فریدی نے جیب سے لفافہ نکالا۔ سیل توڑی اور لفافہ کھول کر اس کے اندر کی اشیاء میز پر الٹ دیں۔ یہ تعلیمی تاش کے دو پتے تھے اور ایک چرمی جلد کی پاکٹ ڈائری۔

”ہات تیرے کی۔“ حمید اپنا سر پیٹ کر چینا۔ یہ کس جاسوسی ناول کا پلاٹ ہے۔ ان کے بختوں نے اب چڑیا کی تکلیف کی تیگم اور چڑی کا غلام چھوڑ کر تعلیمی تاش استعمال کرنے شروع کر دیئے۔

فریدی نے دھیان لٹک نہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے ڈائری کے اور اسکے رہا تھا لیکن وہ سب کے سب سادہ تھے۔ کسی صفحے پر بھی کوئی تحریر نہیں تھی۔

حید تعلیمی تاش کے چوں کو التھے پہنچنے لگا۔ ان کے ایک طرف حروف تھے اور دوسری طرف تصویریں۔ تصویروں میں سے ایک پر دو مختلف فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا اور دوسرے پتے کی پشت پر صرف ایک نو خیڑا کے کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں تعلیمی تاشوں کا پیکٹ تھا۔

”حروف ایک ہی تھا اور یہ حرف تھا۔“

فریدی نے ڈائری رکھ کر پتے حید کے ہاتھ سے لے لئے وہ بھی چند لمحوں تک انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر عجیب نظر وہ میں سے حید کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں سوچتا ہوں کیا عرفانی مجھ سے بھی زیادہ سخرہ تھا۔“ حید نے کہا۔

”عرفانی بہت ذہین آدمی تھے۔“

”تو پھر.... اس حرکت سے کیا نتیجہ اخذ کروں۔“ حید دوبارہ سر پیٹ کر بولا۔

”کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں۔“ فریدی خشک لبھے میں بولا۔ ”میں تمہیں نتیجہ اخذ کرنے کی تکلیف نہ دوں گا۔“

حید پر اس کے لبھ کی خشکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تعلیمی تاش کے چوں کو دیکھتے ہی اس کی سمجھیگی رخصت ہو گئی تھی اور وہ اس نری طرح ملکھہ اڑانے کے سوڑ میں آگیا تھا کہ اگر اس وقت اس کا باپ بھی ہوتا تو وہ اُسے چکیوں میں اڑا دیتا۔

”دونوں چوں پر لام ہیں۔“ وہ نہایت مفکرانہ انداز میں بڑا بڑا۔ ”ایک پر لڑکے کی تصویر ہے اور دوسرے پر لڑائی کی۔ فریدی صاحب معہ حل ہو گیا آپ نے اردو کی ابتدائی کتاب تو پڑھی ہی ہو گی۔ بس اس کا پہلا تصویری سبق یاد کیجئے۔ اب دیکھئے ان چوں کی طرف.... لام سے لڑکا اور لام سے لڑائی۔ یعنی یہی لڑکے مٹاتے ہیں جو انی کو جو اس ہو کر۔ اُف فوہ زندگی کا قلفہ حل ہو گیا؟ عرفانی صاحب میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔ کیا بات پیدا کر دی ہے تم نے یعنی لڑکے جوان ہو کر فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔“

”بکے جاؤ فرزند....!“ فریدی سکرا کر بولا۔ ”تمہاری بکواس بھی کبھی کار آمد ثابت ہوتی ہے۔“

”لام سے تامنکھیتر بھی ہو سکتا ہے لیکن میں فی الحال لام سے لگ گئی چوٹ کر بھجو! میں ہائے رہا کو ترجیح دوں گا۔“ ہمارے سامنے دو لام ہیں۔ اس لئے ایک شعر سننے دونوں لاموں کی تشریع

ہو جائے گی۔“

مس زلف دکھاتی ہیں کہ اس لام کو دیکھو
ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو
”اور یہ ساری ڈائری۔“ فریدی نے ڈائری کی طرف اشارہ کیا۔

”بطور نمونہ آئی ہے۔ اگر آپ سول اجنبی لیں گے تو چالیس فیصدی کیش ملے گا۔ اور
دوسری بات یہ کہ مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے کہ ابھی ہم نے شام کی چائے نہیں پی۔“
”چائے توم کے ساتھ ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ تو بتاؤ۔۔۔ پچوں کے اس کھیل
کے پیچے دو خون ہو گئے۔“

”بہرام کی خالہ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔ ورنہ پھر اس سلسلے میں فیرود پور کے ایک
دوسرے مشی جی سے خط و کتابت کیجئے جو ابھی زندہ ہیں میں ایک موڑن سراغ رسال اتنی اوپنی
باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔“
”تھوڑی دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔ فریدی نے ڈائری اور تاش کے دونوں پتے تجوہی میں
رکھ دیئے۔

چائے پر حمید نے پھر وہی تذکرہ چھینٹ دیا۔

”فی الحال عرقانی کو بھول جاؤ۔“ فریدی بولا۔ ”اگر ہم اس کیس کو جوزف کی موت سے
شروع کریں تو زیادہ بہتر ہو گا۔“

”کیوں؟ عرقانی کو کیوں بھول جاؤ۔“

”اس لئے کہ ابھی تک ہم قتل کی وجہ نہیں معلوم کر سکے لیکن جوزف کے قتل کی وجہ
صف ہے اسے صرف اس لئے ختم کر دیا گیا کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔“

”اچھا چلتے ہیں سہی۔۔۔ تو کیا آپ جیر اللہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“
”میں فی الحال صرف اپنے خلاف ایک کارروائی کرنا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا۔۔۔؟“ حمید نے پڑا شتیاق لیج میں پوچھا۔

”یہی کہ تمہیں جان سے مار دوں۔“

”میری خطا۔۔۔ جہاں پناہ۔“

”تمہیں اس دن قاسم کا چکر چھوڑ کر جیر اللہ کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔“

”میں جانتا تھا کہ آپ کسی نہ کسی موقع پر یہ سوال ضرور اٹھائیے گا۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔
”لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ اس پر اسرار درندے کا ردیل جیر اللہ ہی نے ادا کیا ہو گا۔“
”میں یہ نہیں سمجھتا۔“ فریدی اپنے سوچتا ہوا بولا۔ ”اور فی الحال اسے چھیڑنا ٹھیک بھی نہیں۔
تم میں لیا پر نظر رکھو۔“

”شکریہ۔۔۔ میں جیتے ہی اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ مگر خدار اپنے تو بتائیے یہ تاش
کے پتے۔ سادی ڈائری۔۔۔ آخر ہے کیا بل۔۔۔!“

عینک اور بھوت

فریدی جواب دینے کی بجائے حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا آخر حمید کو الجھن ہونے لگی اور وہ
چھنجلا کر بولا۔

”دیکھئے میں اتنا گاؤڈی نہیں ہوں! جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ اس
ڈائری پر بیاز کے عرق سے کچھ لکھا گیا ہو گا جو آگ دکھاتے ہی واضح ہو جائے گا۔“

”پچوں کی کسی باتیں نہ کرو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”عرقانی جیسے ڈھین آدمی سے اس کی توقع
رکھتے ہو۔“

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“ حمید نے اپنے دائبے گال پر تھیڈر مار کر کہا۔

”کچھ نہیں۔۔۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے ڈائری سادی ہی ہو لیکن یہ ناممکن
ہے کہ عرقانی صاحب نے کسی سیدھے سادے طریقے پر اس میں کوئی خفیہ تحریر چھوڑی ہو۔ پیاز
کا عرق، نمک کا پانی یا سُگرے کے چھکلے کا عرق تو پچوں کے کھیل ہیں۔“

وہ چائے ختم کر کچکے تھے اور حمید نے بات بھی جہاں کی تھا ختم کر دی تھی وہ اس سلسلے میں
زیادہ سر مغزی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اب اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اگر بیشل بیک کی
تجوہی خالی بھی ملتی تو اسے اتنی کوفت نہ ہوتی جتنی تعلیمی تاش کے پتے اور سادی ڈائری سے ہوئی
تھی وہ اس چیز کو نہ جانے کیا سمجھے بیٹھا تھا جس کے لئے اتنا ہرگامہ ہوا تھا۔

فریدی اٹھنے رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بیج۔
”ورا دیکھنا تو....!“ فریدی نے خمید سے کہا۔
خمید نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

”آپ کافون ہے۔“ وہ ماؤ تھہ پیس پرہا تھر رکھ کر بولا۔ ”آئی جی۔“

فریدی نے اس کے ہاتھ پہنچنے ریسیور لے لیا۔
”بیلو... جی ہاں... میں ہی بول رہا ہوں... تیلمات... میں نہیں سمجھا... اوه...
لیکن... کیون... ایسا کیوں ہوا؟... جی ہاں... میں اس سے ملا تھا... جوزف کے سلسلے
میں... لیکن عجیب بات ہے... مجھے شہید ہے... نہیک ہے... میں نے وہاں دو آدمی مقرر کئے
ہیں... اوه بہت بہتر... بہتر... مجھے کوئی اعتراض نہیں... جی بڑی مہربانی... تیلمات۔“

فریدی کا چہرہ غصہ سے سرخ نہ رہا تھا اس نے ریسیور کھ دیا۔
”کیا بات ہے؟“ خمید اسے غور سے دیکھنے لگا۔

”میرا مخصوص اجازت نامہ منسون خ کر دیا گیا۔“
”کیوں...؟“

” غالباً جیر اللہ نے شکایت کی ہے۔“
”اوہ... لیکن ہماری ملاقات تو بڑے شرپیانہ طور پر ہو گئی تھی۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

”اجازت نامہ منسون خ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اس کیس میں دخل اندازی نہ
کریں... اور اگر جیر اللہ مجرم ہے تو میرے علاوہ اور کوئی اس پرہا تھنہ ڈال سکے گا۔“

”میں تو کہتا ہوں ماریے گوی۔ آپ بھکتیں گے یار لوگ۔“

”اگر عرفانی صاحب قتل نہ ہوئے تو شاید میں خود ہی الگ رہتا۔ لیکن ایسی صورت میں
ناممکن ہے۔“

”فرض کیجئے یہ کیس کی اور کو سونپ دیا جائے۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری راہ کوں روک سکے گا۔ کیا پورے مجھے میں کوئی ایسا ہے
اگر ہو تو بتاؤ۔“

حید نے ایک بار فریدی کو گھوڑتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پاپ میں تمبا کو بھرنے لگا۔
”چلو انھو...!“ فریدی تھوڑی درج بولا۔

”وہاں...!“

”عرفانی صاحب کے گھر...!“

”وہاں کیا کریں گے۔“

”اوه... ان کا بستیباہاں آگیا ہے۔“

”آنے دیجئے! وہ بھی کوئی نہ کوئی تھنھے ہمارے لئے کسی بند میں محفوظ کر جائے گا۔ مثلاً
اندوں کے چھکلے اور پھر ہم سر جوڑ کر یہ ثابت کر دیں گے یہ کسی جر من نسل کی عورت کے
اثاثے ہیں۔“

”اٹھو...!“ فریدی اس کا کان پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”مجھے زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔“

فریدی ایک بار پھر عرفانی کے گھر کی علاشی لینا چاہتا ہوا سے توقع تو یہ تھی کہ وہ اس طرح
کسی خاص راستے پر چل سکے گا لیکن پھر بھی اس نے سبی مناسب سمجھا کہ اس کے امکانات بھی نہ
چھوڑے جائیں۔ ممکن ہے کہ اس کے قتل پر کچھ روشنی پڑنے کے اسباب پیدا ہوئی جائیں۔

فریدی سے عرفانی کے بھتیجے کی کچھ یونی رسی جان پیچاں تھی وہ جلال آباد کی ایک
پرانی بیت فرم کا اسنٹٹھ فیجر تھا اور عرفانی کی موت کی خبر بن کر کچھ دنوں کے لئے سینیں آگیا
تھا چونکہ صرف وہی اکیلا اس کے وارثوں میں سے تھا اس لئے اس کے قیام کی دنیت طویل بھی
ہو سکتی تھی۔ وجہ یہی تھی کہ عرفانی کا تھوڑا تھوڑا کاونٹ شہر کے بہترے بیکوں میں تھا۔ عرفانی
کی ایک بہت بڑی کمزوری تھی اس نے محض اس لئے بہت سے بیکوں میں حساب کھول لیا تھا
تکہ دوسروں پر اس کی امداد کا رعب پڑے وہ کسی کو چیک دیتے وقت آٹھ دس چیک بکیں اپنے
سامنے رکھ کر اس سے بڑے بڑے وقار انداز میں پوچھا کرتا تھا کہ اسے کس بند کا چیک چاہئے۔

بہر حال عرفانی کی یہ کمزوری اب اس کے بھتیجے کے لئے سوہاں روح ہو گئی تھی۔ اگر کوئی وصیت
نامہ بھی چھوڑ جاتا تو اسے کوئی دشواری پیش نہ آتی لہذا فریدی نے جب اس سے ایک بھی کارروائی
لیکنے درخواست کی تو اس نے کوئی اعتراض نہ کیا غالباً وہ یہ سوچ کر خوش ہی ہوا ہو گا کہ شہر کا کم از
کم ایک معزز آدمی تو اسے جانتا ہی ہے۔ جو عرفانی کا ترکہ حاصل کرنے میں اسے مدد دے سکے گا۔

فریدی نے سب سے پہلے عرفانی کی لا بھریری کا رخ کیا۔ لکھنے کی میز پر جتنے بھی کاغذات موجود تھے انہیں دیکھا رہا۔ بہتری کتابیں ائمہ پڑھیں۔۔۔ لیکن کوئی ایسی چیزوں مل سکی جس سے عرفانی کے قتل پر روشنی پڑے۔۔۔ کئی گھنٹے گزر گئے رفانی کا بھتیجا بھی اتنا گیا اور آخر اسے معدرت کر کے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا ڈال۔ گھر فریدی کا دیکھا ہوا تھا اس نے اُسے اُس کی رہنمائی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ دوسرے کروں کو دیکھتے بھالتے ہوئے وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ چے عرفانی نے فونو گرانی کا ڈارک روم بنا رکھا تھا فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں سونچ تلاش کر کے بچلی جلا دی۔ نیلے رنگ کا بلب روشن ہو گیا ساتھ ہی فریدی کے منہ سے تھیر آمیز آواز نکلی۔۔۔ حمید اسے گھورنے لگا۔

”حید ڈیز۔“ فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”یہ فونو گرانی کا ڈارک روم ہے۔ آخر یہاں نیلے بلب کا کیا کام۔ یہاں تو سرخ بلب ہونا چاہئے۔“

”خدا گھوڑا کے سراغ رسانی سے۔“ حمید بڑا ڈالیا۔ ”کل صبح آپ پوچھیں گے ہائی یہ آج سورج میڑ لھا کیوں نکل رہا ہے۔“

فریدی نے اُس کی بکواس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے انہاں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر اسے میز پر ایک سرخ بلب بھی مل گیا۔

”نیلا بلب۔۔۔!“ وہ اس طرح بڑا ڈالیجیے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ حمید کو اچھن ہونے لگی۔ آخر اس سنتے پر اتنے غور و خوض کی کیا ضرورت ہے ہو گی کوئی بات بھلا نیلے یا سرخ رنگ کے بلب سے عرفانی کے قتل کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اور پھر عرفانی کو تو نیلے رنگ کا جونہ تھا اُس کے کمرے کی ہر چیز نیلی تھی حتیٰ کہ شب خوابی کا لباس بھی نیلا ہوا کرتا تھا اگر اسکے ڈارک روم میں نیلے رنگ کا بلب نظر آجائے تو اس کی کیا نہیت ہو سکتی ہے۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو اپنے ہونٹ اس طرح سکوڑے ہوئے تھا جیسے سیئی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دھنٹا خفیف سکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوتی اور وہ کہنے لگا۔

”حید اب ہمیں اس مکان میں ایک ایسی عینک تلاش کرنی چاہئے جس کے شیشے زرد رنگ کے ہوں۔“

”اور اگر نہ ملے۔“ حمید بُر اسماںہ بنا کر بولا۔ ”تو بازار سے خرید کر یہاں رکھ دینی چاہئے تاک

عرفانی کی روح کو سکون مل ہے۔۔۔ بیچارہ جو ساری زندگی عینک کو ترستا رہا۔“

فریدی ڈارک روم میں رکھی ہوئی چیزوں کو والٹنے پلتے گا۔ حمید چپ چاپ کھڑا اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ فریدی کی باتیں اکثر بڑی بے ربط ہوا کرتی تھیں اور ان کی چولیں ملانے کے سلسلے میں حمید کو باقاعدہ طور پر اختلاج ہونے لگتا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے اس کا بھیجا کھوپڑی سے نکل آیا ہو۔ اس وقت وہ بڑے ضبط و تحمل سے کام لے رہا تھا ورنہ خود اس کی زبان سے اتنی بے ربط باتیں نکلتیں کہ فریدی بو کھلا جاتا۔

فریدی نے میز کی دراز کھوپڑی۔

”گُذ...!“ وہ آہتہ سے بڑا ڈالیا۔ ”عینک تو ہے.... خوب.... زرد رنگ...!“ وہ حمید کی طرف مڑا اور عینک اُس کے چہرے کے قریب لے جاتا ہوا بولا۔ ”یہ وہی زرد رنگ کی عینک... اب ہم کسی قابل ہو سکیں گے۔“

”بھیش جو تیاں چھاتتے رہیں گے۔“ حمید جل کر بولا۔ ”اگر آپ اتنا وقت برہاد کرنے کی بجائے مجھ سے کہتے تو میں آپ کو ایک درجن ایسی عینکیں خرید دیتا۔“

”ہم ایش اپ! آواب چلیں۔“ وہ عینک جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔

”ارے ارے یہ کیا؟ عینک چراکیں گے آپ۔“

”اوہ....!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”ٹھیک ہے اس کی ضرورت نہیں۔“

اُس نے عینک جیب سے نکال کر پھر میز کی دراز نیں ڈال دی اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

بازار میں پہنچ کر فریدی نے کیڈیاں ایک عینک ساز کمپنی کے سامنے روک دی۔

”یاخدا...!“ حمید خندی سانس لے کر بولا۔

فریدی اُسے لئے ہوئے دکان کے اندر آیا اور یہاں اس نے زرد ٹیشور و الی دو عینکیں طلب کیں۔

”بس آپ ہی شوق فرمائیے قبلہ۔“ حمید بڑا ڈالیا۔ ”خدا وہ دن نہ لائے کہ آپ کو سلیمانی رسمے کی تلاش ہو اُس سے پہلے ہی مر جانے کی تمنا کروں گا۔“

زرد شیشے کی عینک کا استعمال عام نہیں۔ اس نے وہ انہیں اس دکان میں تیار نہ مل سکی۔

فریدی کو جلدی تھی۔ اس نے باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ کبھی اس دکان میں اور کبھی اُس

”ہاں کیا بات تھی۔“ فریدی نے اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد قاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”جو تھی کے یہاں... عرفانی...!“

”مُحَمَّد... کیا جیر اللہ سے تمہاری جان پچان ہے۔“

”نہیں تو...!“

”پھر تم وہاں کیسے گئے تھے۔“

”اوہ... وہ...!“ قاسم شرم کر بولا۔ ”یہی ذرا قست کا حال والی...!“

”خیر ہاں... عرفانی کی کیا بات تھی۔“

”واپسی پر میں نے ایک کمرے میں عرفانی کی بیکل کا ایک آدمی دیکھا تھا جو آرام کر سی پر لیٹا گا رپی رہا تھا۔“

”عرفانی کو تم کیسے جانتے ہو۔“

”اوہ... میں نے اخبار میں تصویر دیکھی تھی۔“

”تب پھر تمہیں دھو کا ہی ہوا ہو گا... صرف تصویر دیکھ کر۔“
”مجھے تھیں واشق ہے۔“

”واشق نہیں... واشق... بھوندو...!“ حمید تھی میں بول پڑا۔

”واشق...!“ قاسم اسے گھور کر غرایا۔ ”میرے والد صاحب یہی بولتے ہیں۔“
”کیا تمہارے والد صاحب بابائے اردو ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”تم خود ہو گے بابائے اردو... ذرا زبان سنچال کرہاں۔“ قاسم ڈپٹ کر بولا۔

”بیکاراں نہیں... حمید خاموش نہیں ہو۔“ فریدی نے کہا پھر قاسم سے بولا۔

”تمہیں دھو کا ہوا ہو گا۔“

”ہوا ہو گا سالا کچھ...!“ قاسم کا مودو گز گیا تھا۔ ”اپنی ایسی کی تھی میں گیا عرفانی اور اس کا بھوت! ہاں حمید صاحب تم نے اس دن مجھے شراب کیوں پلائی تھی۔“

”کیا میں نے اپنے ہاتھ سے پلائی تھی۔“

”کہا تو تم نے... تم نے بہکایا تھا مجھے۔“

دکان میں لیکن اسے مایوسی ہی کامنہ دیکھنا پڑا۔

”ہم اب تک خواہ مخواہ وقت برپا کرتے رہے۔“ فریدی بڑا بڑا۔ ”کھلونوں کی دکان پر ضرور مل جائے گی۔ بچوں کے لئے کمی رگوں کی عنینکیں بنتی ہیں۔“

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“ حمید بھٹاکر بولا۔

”ایک ایسی عینک جس کے شیشے زرد ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”آخر کیوں؟“

”بعد کوتاؤں گا۔“

”بہت بہتر...!“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”اور اگر میں اس دوڑاں میں مر جاؤں تو راز میرے باپ کو بتا دیجئے گا۔“

”حمدکبو نہیں... آؤ۔“

”وہ سڑک پار کر کے فٹ پاٹھ پر چڑھتی رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے حمید کو آواز دی۔“
”دونوں مڑے قاسم اپنی کار روک کر بولکھلانے ہوئے انداز میں اتر رہا تھا وہ دونوں رک گئے فریدی ناگواری کے ساتھ کچھ بڑا بڑا رہا تھا۔“

”قاسم آیا اور احمقوں کی طرح منہ کھول کر ان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ وہ کبھی حمید کو دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کو۔“

”کیا بات ہے؟“ حمید جھنگھلا کر بولا۔

”میں تم سے خوش نہیں ہوں حمید بھائی۔“ قاسم تھوک نگل کر بولا۔ ”لیکن میں اس وقت پرانے جھگڑے نہیں چھیر دیں گے کیونکہ میں نے ایک بھوت دیکھا ہے۔“

”بھوت...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”برف کا تو نہیں تھا۔“

”نہیں... فریدی صاحب میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں نے انگریز جو تھی کے یہاں عرفانی کا بھوت دیکھا ہے۔“

”کیا...؟“ فریدی اسے گھور کر رہ گیا۔ پھر جلدی سے اس کا شانہ چھپتا کر بولا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“

”وہ قریب کے ایک ریسٹوران میں چلے گئے۔“

”کیسا کار نامہ...!“ قاسم نے پوچھا۔
”ایسا جس سے تمہاری شہرت ہو۔“ حمید نے پانچ میں تماکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”مثلاً عقریب فری اسٹائل کا دنگل شروع ہونے والا ہے تم کسی ناہی پہلوان کو لا کار دو۔“
”مجھے داؤں بیچ نہیں آتے۔“
”فری اسٹائل میں زیادہ داؤں بیچ نہیں ہوتے۔“
”مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔“
”اگر سکھا دیا جائے تو۔“
”میں لوسکتا ہوں۔“
”ٹھیک تو... فریدی صاحب تمہیں سکھا دیں گے۔“
”کیوں؟ آپ سکھا دیں گے۔“ قاسم چک کر بولا۔
”ہاں کسی وقت اطمینان سے آتا۔“ فریدی نے کہا۔
”ویسے میں وہوبی پاٹ بڑی اچھی مارتا ہوں۔“ قاسم بولا۔
”ہوں نیز... دیکھا جائے گا۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ اُس آدمی اور عرفانی میں کوئی مشابہت تھی۔“
”مشابہت کیا... وہ ہو بہو عرفانی تھا۔ مجھے یقین ہے میں وہاں سے نکل کر سیدھا آپ کے یہاں گیا تھا۔ مگر آپ نہیں ملے تھے۔“
”تم نے کس وقت دیکھا تھا۔“
”تقریباً چار بجے۔“
”کسی اور سے تو اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔“
”نہیں... کسی سے نہیں۔“
”اچھا تو اب کسی سے اس کا تذکرہ مت کرنا۔“
حمدید کو الجھن ہونے لگی تھی وہ زرور گنگ کی عینک کے متعلق سوچ رہا تھا اور قاسم کی اس کہانی کی اُس کی نظر میں کوئی وقت نہیں تھی۔

”میرے کہنے سے تم زہر پی لو گے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔
”ذر اکہہ کر تو دیکھو... کیسی گت بناتا ہوں۔“
”اوی... ہونہہ... چھوڑو بھی یہ بھگڑے۔“ فریدی کافی کے لئے آرڈر دے کر بولا۔
”ہاں حیر اللہ نے کیا بتایا تھا تمہارا تھد دیکھ کر۔“
قاسم نے جواب دینے کے بجائے شرم کر سر جھکالیا۔ کچھ دیر ناخن سے دانت کرید تارہ پا پھٹکنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”اس نے بتایا ہے! یہوی بیکار ہے گی۔“
”تب تو تمہیں ضرور زہر پی لیتا چاہئے۔“ حمید نے کہا۔
”تم چپ رہو حمید بھائی... الا تم تمہاری طرف سے دل میں میل آگیا ہے اگر پلاٹی ہو
تھی تو... وہاں چھوڑ کر چلے کیوں آئے تھے... اگر میں بھی شرات کروں تو۔“
”بھلا تم کیا شرات کرو گے؟“ حمید نے پوچھا۔
”میں کسی اخباری روپرٹ سے بتا سکتا ہوں کہ تم نے اس دن جوزف کی کار میں گھٹالا کر دیا تو
اور اُسی دن وہ مر گیا۔“
”لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے۔“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔
”نہیں کروں گا... میں نے تو مثال کے طور پر کہا ہے۔ لیکن آپ حمید بھائی کو سمجھا دیجئے
میری پیٹھ کی کھال اُدھڑ گئی ہے۔“
”کیوں...؟“ فریدی نے حیرت سے کہا۔
”والد صاحب نے بندھوا کر ہنڑ سے خبری تھی۔“
”چہ چہ...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”حمدید تم بڑے سور ہو۔ خبردار اب جو کبھی قاسم کا
پریشان کیا۔“
”بیوی کے سامنے۔“ حمید نے پوچھا۔
”بُس زیادہ جان نہ جاؤ۔ اگر بیوی کے سامنے پیٹا ہوتا تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔ ویسے تو
وہ سالی میری کچھ حقیقت نہیں سمجھتی۔“
”واقعی نہ سمجھتی ہو گی اور نہ اس وقت تک سمجھے گی جب تک کہ تم کوئی بڑا کار نامہ انجام
دو۔“ حمید بولا۔

رنگ جائے ہیں

فریدی اور حمید آفس پہنچے ہی تھے کہ فریدی کو سپرنٹنڈنٹ کا یقیام ملا جو اپنے آفس میں اس مختصر تھا۔

”سوپر کو شاید آپ سے پھر عشق ہو گیا ہے۔“ حمید بس کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ نے بڑی خوش اخلاقی سے فریدی کا استقبال کیا۔

”فریدی صاحب۔“ اس نے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ عرفانی والا کیس آپ کو نہ مل سکا۔ حالانکہ میں نے بہت کوشش کی۔“

”میں آپ کا شکر گزار ہوں اور پھر اکیلے میں ہی تو نہیں ہوں اور بھی ہیں۔ میں دراصل اس وجہ سے دچکی لے رہا تھا کہ عرفانی سے میرے خاص قسم کے تعلقات تھے۔“

”آپ جیر اللہ سے خواہ مخواہ جاہڑے۔“ سپرنٹنڈنٹ نے متناسقاتہ لمحے میں کہا۔

”نہیں! سوپر میں تو صرف جو زف کے سلسلے میں اس سے ملا تھا اور ہماری گفتگو دائرہ اخلاقی میں رہی تھی۔“

”آسے شاید کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ آپ کے کچھ آدمی اسکے مکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔“

”ہو گا...!“ فریدی لاپرواں سے بولا۔ ”میں اب اس میں دچکی نہیں لے رہا ہوں۔“

”کیس مسٹر آصف اور مسٹر سلگھ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

”پتہ نہیں کیا چیز تھی جسے قاتل تلاش کر رہے تھے۔ معلوم نہیں وہ انہیں ملی یا نہیں۔“

”مل ہی گئی ہو گی۔“

سپرنٹنڈنٹ تیز نظر دوں سے فریدی کی طرف دیکھنے کا پھر ذرا سما مسکرا کر بولا۔ ”کیا آپ اس سلسلے میں کچھ چھاپ رہے ہیں۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”یعنی...!“

”میں یہ چھپا رہا ہوں کہ قاتلوں کو وہ چیز نہیں ملی۔“

”آپ کو کیسے علم ہوا۔“

”اس طرح کہ کچھ لوگ ان بنکوں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں جن میں عرفانی کا اکاؤنٹ فنا، وہ خود کو عرفانی کا رشتہ دار ظاہر کر کے یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عرفانی نے کوئی چیز سیف کنٹنڈنٹ میں تو نہیں رکھوائی تھی۔“

”مکن ہے وہ اس کے رشتہ دار ہی ہوں۔“

”جی نہیں ان کا صرف ایک بھتیجا ہے اور وہ بے چارہ ابھی تک خاموش ہی بیٹھا ہوا ہے۔“

”ہوں....!“ سپرنٹنڈنٹ کی طویل ”ہوں“ خاموشی میں بدل گئی اور پھر اس نے کچھ دیر بعد کہا ”آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

”جوزف کی موت کے بعد سے معاملہ ٹکین ہو گیا ہے۔“ سپرنٹنڈنٹ کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”وہ قاتلوں کا شریک کا رہا۔ آخر ایک اگر یہ کا عرفانی سے کیا تعلق۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی دھنک لجھے میں بولا۔ ”بیتیری باتیں قابل غور ہیں.... مثال کے طور پر ایک بھی کہ برناڑ جیسے بد نام آدمی کو جیر اللہ کے یہاں کیا کام ہو سکتا ہے۔“

”کیا برناڑ... وہ.... ایگواونڈین۔“

”جی ہاں وہی.... جیر اللہ کے بیان کے مطابق وہ بھی آج کل بدھ ازم سے بہت متاثر نظر آ رہا ہے۔“

”مسٹر فریدی سچی بات تو یہ ہے کہ میں بھی....!“ سپرنٹنڈنٹ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے پہلے تو اسے سوالیہ نظر دوں سے دیکھا پھر یہ بیک اس طرح ہے تعلق نظر آنے لگا جیسے اس کی اوھوری بات سے کوئی رجھپتی نہ ہو۔

”بہر حال میں نے آپ کو اس لئے تکلیف دی تھی کہ آپ آصف وغیرہ کی مدد کرتے رہیں۔“

”بھلاکیہ کیوں نکل مکن ہے.... جب کہ میں باضابطہ طور پر بے تعلق کر دیا گیا ہوں۔“

”بھی اب کیا کیا جائے.... اور کے بھی احکام ہیں۔“

”جی ہاں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ جب اوپر والوں کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں کیوں خواہ دخل دوں۔“

”میں خود بھی.... جیر اللہ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔“ سپرنٹنڈنٹ آہستہ سے بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔۔۔ کچھ دیر سکوت رہا۔۔۔ پھر فریدی نے کہا۔۔۔ مجھے دو ماہ کی رخصت چاہئے۔۔۔ ”اوہ۔۔۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ۔۔۔!“

”نہیں میں اس کیس میں دلچسپی لینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔۔۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔۔۔“
”لیکن چھٹی لینے سے تو افران بالائیں سمجھیں گے۔۔۔“

”سمجا کریں مجھے آرام کی سخت ضرورت ہے اگر چھٹی نہ ملی تو میں استغفارے دوں گا۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ استغفار۔۔۔!“ پس نندن نہ ہنسنے لگا۔۔۔ ”تب تو ضرور کوئی خاص بات ہے۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ قطعی نہیں۔۔۔“ فریدی خنک لبجے میں بولا۔۔۔ ”میرے مخصوص اجازت نامے ر منسوخی میری سب سے بڑی توہین ہے۔۔۔ میرے جذبات شدت سے مجرد ہوئے ہیں۔۔۔“

”اوہ۔۔۔!“ پس نندن نہ اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کی بات کے وزن کا اندازہ لگا۔۔۔
ہو۔۔۔ فریدی کا چہرہ پھر کی طرح بے جان تھا۔۔۔

”آپ۔۔۔!“ پس نندن نہ تھوڑے تال کے بعد بولا۔۔۔ ”رخصت لکھنے میں کوشش کروں گا۔۔۔“

فریدی کے استغفار کا معاملہ ہی ایسا تھا اس کے لمحے کے لوگ تو دل سے چاہتے تھے کہ وہ کو طرح لمحے سے الگ ہو جائے اس کی موجودگی میں افران بالائیں احساس کتری میں مبتلا رہتے تھے اور اس کے ہم رتبہ لوگوں کا تو یہ عالم تھا کہ اسے اپنی ترقی کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ سکھتے تھے۔۔۔

فریدی اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے رخصت نہ مل سکے گی اور اسی صورت میں خاص طور پر اس میں رکاوٹیں ڈالی جائیں گی جب کہ اس نے سبک دوش ہو جانے کی دھمکی دی ہو۔۔۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آگیا یہاں سر جنث حمید ایک نئی ناپہٹ لڑکی کو نافیاں کھلا۔۔۔ تھا۔۔۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے کہنا شروع کر دیا۔۔۔ ”ہاں دیکھتے اس کی تین کاپیاں نکال لجھے۔۔۔ فاکر نمبر تین میں نیچے سے چو تھا رافت۔۔۔ بس جائیے۔۔۔“

لڑکی خود ہی فریدی کو دیکھ کر سر ایکہ ہو گئی تھی۔۔۔ حمید کا اشارہ پاتے ہی کھسک گئی۔۔۔ فریدی دیکھتے ہی آفس کی سبھی لڑکیاں حواس باختہ ہو جاتی تھیں اور اس کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔۔۔ اس نے آج تک کسی ناپہٹ لڑکی کو برداشت کوئی کام نہیں دیا تھا۔۔۔ اور نہ۔۔۔ اُن سے کبھی گفتگو کرتا تھا اگر اُنہیں اس کا کوئی ڈرافٹ ناپ کرنے میں دشواری ہوتی تو وہ حمید و سلطنت سے کام بنا لایا کرتی تھیں۔۔۔

”حید ادو ماہ کی چھٹی کی درخواست لکھو۔۔۔“ فریدی نے آفس میں داخل ہوتے ہی کہا۔۔۔

”آف فو۔۔۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔۔۔ ابھی پرسوں ہی تو اس سے جان پہچان ہوئی ہے۔۔۔“

”بکھر نہیں!۔۔۔ میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ آفس کی لڑکیوں سے فلرٹ نہ کیا کرو۔۔۔“

”تو پھر آپ ہی مجھے کوئی ایسی لڑکی تلاش کر دیجئے جس سے میں فلرٹ کر سکو۔۔۔“

”مارے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔۔۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔۔۔

”خوب رہنی گویا یہ نبی کیا رہ بیٹھے کمھی مارا کریں۔۔۔“

”میں کہتا ہوں درخواست لکھو۔۔۔“

”لکھتا ہوں۔۔۔ حمید پیٹھ اٹھا کر سامنے رکھتا ہو بولا۔۔۔ بولئے کیا لکھ دوں۔۔۔“

”دو ماہ کی رخصت کی درخواست۔۔۔“

”مارے تو لکھوں کیا۔۔۔؟“ حمید پیٹھ اٹھا کر پہاڑھ مار کر بولا۔۔۔ لکھ دوں کہ کسی عزیز کو بیدار ڈال

کر مارنا چاہتا ہوں یا میں خود ہی بیدار ہو کر مر جانا چاہتا ہوں۔۔۔“

”جو دل چاہے لکھ دوا ظاہر ہے کہ منظور تو ہو گی نہیں۔۔۔“

”ہمکیں۔۔۔ حمید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔۔۔“ پھر کاغذ خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔“

”کیونکہ اس کے بعد بھر کا غذ خراب کر کریں گے استغفار کے لئے۔۔۔“

”اوہ تو یہ بات ہے۔۔۔ حمید شنڈی سائن لیتے ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔۔۔ کچھ دیر یو نبی میٹھارہا

پھر ایک اور شنڈی سائن لے کر بولا۔۔۔ میں آج رات کی گاڑی سے اللہ میاں کے یہاں جا رہا ہوں۔۔۔“

”تم بھی میرا وقت بردا کر رہے ہو۔۔۔“

”نہیں میں رخصت کی درخواست دے کر ملک الموت کو دعوت دے رہا ہوں۔۔۔“ حمید

بڑا تارہ اور اس کا قلم کاغذ پر چلتا رہا۔۔۔

”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ۔۔۔ آپ رخصت کی درخواست محض اس لئے دے رہے ہیں کہ

ہیں کہ کھلونوں کی دکان پر زرد رنگ کی عینک تلاش کر سکیں۔۔۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ آپ

آن کے ساتھ جھن جھنے اور غبارے ضرور خریدیں گے۔۔۔“

درخواست لکھ کر اس نے فریدی کی طرف بڑھا دی۔۔۔

”ہم دونوں کی طبیعت اس وقت نہیں ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اس نے ہم کو واپس جائیں گے۔“
حید گھبرا کر اپنی بخش شونے لگا۔

”اور ہم میں سے مرے گا کون پہلے۔“ اس نے بڑی مخصوصیت سے پوچھا۔

فریدی اپنی میز پر بیٹھ کر درخواست لکھنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ جب لکھ چکا تو اس نے حید کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”عینکیں بن کر آگئی ہوں گی۔“

”اس قسم کی تو نہیں ہیں جیسی ہنڑ والی لگاتی تھی۔“

فریدی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر پرشنڈٹ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔
وہ گھنٹے بعد وہ دونوں گھر میں تھے۔

حید اپنے کمرے میں اونچا پڑا۔۔۔ ٹیکلی کی ایک لفتم انگریزی لے میں گنگارہا تھا۔ اور سرہانے کی گول میز پر اس کی پالتو چوہیا پچھلی ناٹکوں پر پھدک رہی تھی۔

اچانک فریدی کمرے میں داخل ہوا وہ اپنی اوپری منزل والی تجربہ گاہ سے آیا تھا۔ حید نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔۔۔ فریدی کا چہرہ سرخ تھا اور اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وحیانہ چمک تھی جو اس کی کامیابی پر دلالت کرتی تھی۔

”اخنو! فرزند...!“ وہ مخصوص فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”ورنہ تمہیں افسوس ہو گا۔“

”کوئی خاص بات۔“

”وہی زرد عینک...!“

”اوہ...!“

”آؤ... اخنو۔“

فریدی اسے تجربہ گاہ میں لے آیا پھر وہ اس مخصوص حصے میں آئے جہاں فریدی نے فلمیں دھونے کے لئے ڈارک روم بنار کھا تھا۔ ڈارک روم میں نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

”آپ کے ڈارک روم میں بھی نیلا بلب...!“ حید بڑا بڑا۔

فریدی نے میز پر سے دوسری زرد عینک اٹھا کر حید کی آنکھوں پر لگادی۔

”واہ...واہ...!“ حید بچوں کی طرح تالیاں بجا کر بولا۔ ”اے سجان اللہ فریدی صاحب!

ارے یہ روشنی تو بیز ہو گئی... کمال ہے۔“

”بکومت...! فرزند ابھی تمہاری آنکھیں نکل پڑیں گی۔“ فریدی نے کہا ”وہ دیکھو... یہ کیا ہے۔“

”وہی نامر اداؤ اڑی۔“

”اب دیکھو...!“

دفعہ حید کے منہ سے حرمت کی چیخ نکل گئی۔ ڈاڑی کے پہلے ہی صفحہ پر تحریر نظر آری تھی۔ سختی رنگ کی تحریر۔ حروف کے کناروں پر پیلا رنگ جملکیاں مار رہا تھا۔ حید نے چشمہ اُتار دیا۔ اب وہی صفحہ بالکل سپاٹ ڈاٹھا۔ تحریر کیا کوئی ہلاکا سا نقش بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ کاغذ کی سطح نیلی روشنی کی وجہ سے نیلی دکھائی دے رہی تھی۔ حید نے پھر چشمہ لگایا۔ کاغذ کی سطح کی نیلی رنگت بزری میں تبدیل ہو گئی اور سختی رنگ کی تحریر... حید کا دماغ چکر اگیا۔۔۔ فریدی صفات اتنا رہا۔ تحریر قریب قریب ڈاڑی کے آدھے صفات میں پھیلی ہوئی تھی۔

”اب بتاؤ...!“ فریدی ڈاڑی بند کر کے بولا۔ ”یہیں پاگل پن ہی سے کرتے ہیں۔ اگر پہلے ہی یہ بتا دیا ہوتا... تو کیوں...؟“

”پہلے مجھے بھی یقین نہیں تھا۔ بچپن کی ایک بھولی بسری یاد کے سہارے یہ سب کچھ کرتا چلا گیا۔“

”بھولی بسری یاد سے کیا مطلب۔“

”اے پڑھو! خود ہی معلوم ہو جائے گا۔“ فریدی نے ڈاڑی اس کی طرف بڑھا دی۔

حید پڑھنے لگا۔ ”کمال میاں! تمہیں تاش کے پتے اور سادی ڈاڑی دیکھ کر حرمت تو ضرور ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اس کی تہہ تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔ خفیہ تحریر کا یہ طریقہ میں نے اور تمہارے والد مر حوم نے ایجاد کیا تھا۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ لیکن مجھے تو قع ہے کہ تمہارے والد نے تم سے اس کا تذکرہ ضرور کیا ہو گا۔ تعلیمی تاش کے یہ پتے مدرس ار ہیں۔ میں ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں کچھ لوگ انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ میرے پاس کیا ہے ان تاشوں سے دراصل ان کا کوئی راز وابستہ ہے۔ اس دوران میں کئی بار مجھ پر حملے بھی ہو چکے ہیں لیکن میں چھتا ہی رہا۔ آج نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ

میں کوئی ضروری تفصیل رہ جائے... میں نے تمہیں اس کا نام تو بتایا ہی نہیں۔ اس کا نام شیخمر تھا اور وہ زینت محل کی پچالی منزل کے قیسے فلیٹ میں تھا رہتا تھا۔ ایک رات میں اس سے ملنے کے لئے گیا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں بے دھڑک اندر چلا گیا۔ اچانک وہ مجھے فرش پر اونڈھا پڑا ہوا دکھائی دیا۔ اُس کی پیشہ سے خون ابل رہا تھا اور اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہونٹ مل رہے تھے اس نے نجیف آواز میں مجھے سے کہا کہ اُسے اٹھا کر پانگ پر ڈال دوں۔ اُس نے نہ تو مجھے پولیس کو مطلع کرنے دیا اور نہ طبعی امداد ہی کے لئے تیار ہوا پھر اُس نے اُنک اُنک کر مجھے ایک طویل داستان سنائی وہ ایک خطرناک گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور اُسی کے بیان کے مطابق اُس گروہ کے عزائم بہت ہی بھیک تھے لیکن اس نے ان عزمات کا تذکرہ نہیں کیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ میں اس کی داستان اسی کے الفاظ میں لکھوں اور اسی ترتیب کے ساتھ۔ لیکن خود میری زندگی کی گھریلوں سختی نظر آرہی ہیں۔ بہر حال اس نے جو کچھ بتایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ وہ گروہ بہت بڑا اور انہی کی طاقتور ہے۔ گروہ کے لوگوں کی آپس میں دشمنیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مار بھی ڈالتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی تنظیم سے غداری نہیں کرتا۔ کبھی کسی نے پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ اس نے بتایا کہ وہ بھی اسی قسم کے ایک حادثے سے دوچار ہوا ہے۔ لیکن وہ بڑا کبیدہ خاطر تھا۔ اس نے کہا کہ وہ صاف صاف تو اس گروہ کا پتہ نشان نہیں دے سکتا کیونکہ اس نے رازداری کی قسم کھلائی تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ گروہ دنیا پر جاتی لائے۔ اس نے مجھ سے تعلیمی تاش کا پیکٹ اٹھانے کو کہا جو سامنے ہی میز پر پڑا ہوا تھا۔ پھر اُس نے سارے چوں میں سے دو پتے نکال کر مجھے دیئے اور کہا کہ انہیں چوں کے ذریعے میری رسائی اُس گروہ تک ہو سکتی ہے۔ ان چوں میں سب کچھ ہے اُس کی ہدایت تھی کہ میں انہیں سمجھنے کی کوشش کروں۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک آدمی آگیا اور شیخمر اسے دیکھتے ہی جوش میں بھر گیا اُس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلتے گئیں پھر اُس نے چیخ کر مجھ سے چلے جانے کو کہا اور کہا کہ میں اُس چیزوں کو حفاظت سے رکھوں ایک دن انصاف ہو جائے گا۔ میں چلا آیا۔ دوسرے دن کے اخبارات میں زینت محل سے برآمد ہونے والی ایک لاش کی خبر تھی۔ اُسی دن سے مجھ پر حملہ ہونے شروع ہو گئے۔ انہیں اُس چیز کی تلاش ہے جو اُس مرتبے ہو گئے آدمی نے مجھے دی تھی۔ خدا کرے یہ دونوں چیزوں تک بحفاظت پہنچ جائیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔"

یہ میری زندگی کا آخری دن ہے لہذا میں اس طریقے سے ان چیزوں کو تم تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میری داستان طویل ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں سے شروع کروں... بہر حال ختم یاد ہو گا۔ دو تین ماہ قبل کی بات ہے پولیس کو ایک عجیب و غریب کیس سے واسطہ پڑا تھا۔ بات یوں تھی کہ واکر اسٹریٹ میں ایک آدمی پیدل جا رہا تھا۔ اچانک ایک کار اُس کے قریب سے گزری اور کار سے اس پر کسی نے گولی چلانی۔ پیدل چلنے والا سڑک کے کنارے گر گیا۔ راہ گیر سمجھے کہ اُسے گولی لگی ہے جب کار واکر اسٹریٹ سے دوسری سڑک پر مڑ گئی تو گرنے والا اٹھ بیٹھا۔ اُس کے کرد بھیڑ لگ گئی لوگوں نے پوچھ گئے شروع کی۔ لیکن وہ سرے ہی سے اس بات کا منکر تھا کہ اُس پر گولی چلانی گئی تھی۔ اُس نے گرنے کا سبب ایک قسم کا دورہ بتایا جس کا وہ عرصے سے شکار تھا ہر کس دن اس نے گولی چلانے کی آواز سنی تھی اور کار کی کھڑکی کے آگے دھواں بھی لہراتا دیکھا تھا۔ ڈیوٹی کا نشیل بھی گواہ تھا لیکن گرنے والا فائر کرنے والے خیال کا مفعکہ اڑاتا رہا اُس نے یہ بات کسی طرح نہ تسلیم کی کہ اس پر گولی چلانی گئی تھی۔ اتفاق سے میں بھی جائے واردات پر موجود تھا مجھے بڑی حیرت ہوئی بہر حال میں نے اُس آدمی کو نظر پر چڑھایا میں نے صرف اُس کی جائے قیام کا پتہ لگایا بلکہ اُس سے جان پیچان بھی پیدا کر لی۔ وہ ہر طرح سے ایک پُرسار آدمی تھا اُس کے متعلق اُس کے پڑوسیوں کو بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اُس کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے اُس کے بعض حالات کا علم ہوتا گیا۔ وہ ایک ریڑاڑ فوجی آفسر تھا اور اُس نے دوسری جنگ عظیم میں بہترے نمایاں کارنا سے انجام دیئے تھے اور پھر میں نے اس کے ملنے جلنے والوں میں کئی مشتبہ آدمی دیکھے ایسے آدمی جن کے متعلق جنگ کے دوران میں شہید کیا جا رہا تھا کہ وہ دشمنوں کے ہاتھ اہم ترین فوجی راز بھیجا کرتے تھے۔ پولیس کا خیال بھی یہی تھا لیکن ان لوگوں کے خلاف "خوس قسم کے ثبوت نہیں حاصل کر پائی تھی۔ بہر حال یہ دیکھ کر میرا ذوق تجسس پوری طرح بیدار ہو گیا۔ اس پُرسار آدمی سے میری گہری دوستی ہو گئی تھی اور میں نے اس سے اپنے بارے میں بھی سب کچھ صحیح صحیح بتا دیا لیکن اس کو اس بات کی ہوا بھی نہ لگتے دی کہ میں نے اس سے کیوں راہور سم پیدا کی ہے۔

داستان طویل ہے میں اسے مختصر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ اس کو شر

”پھر بھلا بتاؤ میں تمہاری مدد کس طرح کر سکتا ہوں۔ اگر تمہاری مدد کرتا ہوا کام آگیا تو میرے قرض خواہ روز قیامت مجھے خون اور پیپ کی کاک ٹیل پلوادیں گے۔“

”تو تم صاف انکار کرتے ہو۔“

”نہیں پیارے! میں تدول و جان سے تمہاری خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ مگر میرا قرض۔“

”رشیدہ تم سمجھاؤ۔“ آصف گھمھیلایا۔

”بھلا میری کون سنے گا۔“ رشیدہ بولی۔

”خدائے گا تمہاری۔ تم پچھ سزا بھی تو۔“ انور نے سمجھی گی سے کہا۔

”اچھا سنو!“ آصف نے انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”اگر مدد نہیں کر سکتے تو یہی کرو کہ فریدی کے لئے اس کیس میں کوئی کام نہ کرنا۔“

”مگر میں نے تو سنا ہے کہ یہ کیس انہیں نہیں دیا گیا۔“

”یکی نہیں جا آصف مخصوص اجازت نامہ بھی کینسل کر دیا گیا ہے۔“

”تب پھر....!“

”نہیں وہ اپنی ناگل ضرور اڑائے گا۔“

”تو پھر آصف صاحب مجھے میں تو اعتماد نہیں کہ میں ان کی ناگل ہٹا دوں۔“

”تم اس کے لئے کام تھیں کرو گے۔“

”یکی انہوں نے اگر میرا قرض ادا کر دیا تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔“

”قرض....!“ آصف اسے گھور کر رہ گیا۔

”صرف تین سو ہیں زیادہ نہیں۔“

”تو تم باز نہیں آؤ گے اچھا دیکھ لوں گا.... کبھی مجھے سے بھی کوئی کام پڑے گا۔“

”یار آصف بور مت کرو۔ میں ویسے ہی پریشان ہوں۔“

پھر انور نے رشیدہ کو اشارة کیا کہ وہ اٹھ کر چلی جائے۔ رشیدہ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی انور چائے ختم کر کچا تھا وہ ایک سگریٹ سلاکا کر کر سی کی پشت سے نکل گیا۔

آصف اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”تم جوزف کی بیوی سے ملتے تھے۔“ انور نے آصف سے پوچھا۔

حمدی نے ڈائری بند کر دی۔ اور ھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چا گیا۔ ”کئی باقیں رہ گئیں۔“ بالآخر فریدی بولا۔ ”نه تو ان مشتبہ آدمیوں کے نام ہیں جو شیکھ سے ملتے رہتے تھے اور نہ اس شخص کے متعلق وضاحت ہے جو آخر وقت میں شیکھ کے فلیٹ میں آیا تھا۔“

”شیکھ کی لاش پندرہ دن قبل ملی تھی شاید۔“ حمدی نے کہا۔

”ہاں لیکن اس کے فلیٹ سے کوئی ایسی چیز نہیں برآمد ہوئی تھی جو یہ اسرار ہوتی۔“

”آخر یہ کس قسم کا گرد ہے.... اور وہ خوفناک عزم کیا ہیں۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ اس کی آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔

دوسری حصہ

کڑکڑا قی ہڈیاں

انور اور رشیدہ کیفے کا سینو میں شام کی چائے پی رہے تھے۔ انپلکٹ آصف بھی تھا.... اور آخر وہ کچھ بجھا بجھا ساظھر آ رہا تھا۔ غالباً اس کی وجہ وہ ناکامی تھی جو دن بھر کی دوڑو ھوپ کے باوجود بھی اس کے حصے میں آئی تھی۔

”مجھے یقین ہے۔“ آصف گلا صاف کر کے بولا۔ ”فریدی کوئی خاص بات جانتا ہے جس کا تذکرہ اس نے سرکاری روپورٹ میں نہیں کیا۔“

”کرتے بھی کیا۔“ انور کیک کا ایک بڑا سماں کلرا نگتا ہوا بولا۔ ”سرکاری روپورٹ میں توروی کے بھاؤ کا کرتی ہیں۔“

”انور تمہاری مدد کے بغیر میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔“

”میں ڈیزراولڈ آصف....!“ انور آہستہ سے بولا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں اپنا قرض کس طرح ادا کروں۔“

”پھر اڑائے تم....!“

”میں چ کہہ رہا ہوں.... اس ماہ میں تین سو کا مقروظ ہو گیا ہوں۔“

”میں بھی آج کل نجک دست ہو رہا ہوں۔“ آصف بڑیا۔



انور کی موڑ سائیکل کی رفتار کنکس لین میں داخل ہوتے ہی کم ہو گئی نولہ نمبر کی کوئی کے سامنے وہ رک گیا چند لمحوں کے بعد وہ برآمدے میں لگی ہوئی گھنٹی بجارتا تھا۔ دروازہ خود میسلیا نے کھولا۔ انور اُسے پہچانتا نہیں تھا اُس نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے مسز پیٹر سے ملتا ہے۔“

”اوہ....!“ میسلیا کارڈ کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”کرامہم روپورٹ....!“ پھر وہ خالی خالی نظروں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”کیا چاہتے ہو۔“ اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

”تمہیں اس سے کیا سروکار....!“ انور خشک لبجے میں بولا۔ میسلیا اس وقت خانگی لباس میں تھی اور انور یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مکان کی مالکہ خود ہی گھنٹی کے جواب میں دروازے تک آئی ہو گئی بہر حال وہ اُسے خادمہ نہیں تو میسلیا کی سیکریٹری ضرور سمجھتا تھا۔

”میں ہی مسز پیٹر ہوں۔“ میسلیا آہستہ سے بڑا بڑا۔

”اوہ معاف سمجھے گا۔“ انور مصافیہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”مسٹر جوزف بڑے اچھے آدمی تھے میں ان کی سوانح حیات شائع کرنا چاہتا ہوں۔“

”مگر ان پر بھی تو ایک قتل کا الزام تھا۔“ میسلیا نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”مجھے اس کہانی پر یقین نہیں۔“ انور نے کہا۔ ”یہاں کی پولیس ناکارہ اور کام چور ہے۔ سو میں پھر کسی ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ یا تو دھوکا کھاتی ہے یا اپنی آسمانی کے لئے جان بوجھ کر فرضی کہایاں گھر لیتی ہے۔ مجھے پیٹر سے ہمدردی ہے کیونکہ وہ میرا دوست تھا۔“

”اوہ.... اندر آ جائی۔“ میسلیا کی آواز بڑی رسیلی تھی۔

انور اندر چلا گیا۔ وہ نشست کے کمرے میں آئے۔

”میں یہ بھی سمجھتا ہوں۔“ انور کہہ رہا تھا۔ ”پیٹر قتل کیا گیا ہے.... اور اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔ درندے کی داستان بھی فرضی ہی معلوم ہوتی ہے۔“

”مگر مسٹر انور وہ بال میں نے بھی دیکھے تھے۔“

”ملا تھا.... لیکن اس عورت سے کچھ معلوم کر لیتا انہائی دشوار ہے۔“

”اگر میں اس سے کچھ معلوم کر لوں تو تم مجھے کتنا معاوضہ دو گے۔“

”مگر میں اس سے کچھ نہیں معلوم کرنا چاہتا۔“ آصف جلدی سے بول پڑا۔

”پھر تم مجھے کس قسم کی مدد چاہئے ہو۔“

”بات یہ ہے کہ۔“ آصف قدرے پچھا بہت کے ساتھ بولا۔ ”فریڈی سے تمہارے تعلقات اچھے ہیں تم اس سے کسی طرح وہ بات معلوم کر لو جو اس نے سرکاری روپورٹ میں نہیں لکھی۔“

”مجھے معلوم ہے وہ بات۔“ انور نے سمجھی گی سے کہا۔

”کیا....؟“ آصف ہمہ تن اشتیاق بن گیا۔

”سرکاری روپورٹ میں انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ وہ تمام عمر کنوادرے رہنے کی قسم کھا جکے ہیں۔“

”انور پچھا مت کرو.... میں آج بہت پریشان ہوں۔“

”اگر تم واپسی پریشان ہو تو میں تمہیں یہ مشورہ دوں گا.... مگر میں بغیر معاوضہ لئے کبھی کوئی مشورہ نہیں دیتا.... آصف صاحب مجھے افسوس ہے۔“ انور نے کہا۔

”اوہ.... یہ رشیدہ کہاں چلی گئی۔“ دفتار وہ چوک کر بولا۔ ”مسٹر آصف ایک منٹ.... میں ذرا وکیلے لوں رشیدہ کہاں چلی گئی۔“

انور کے جانے کے بعد آصف اوٹھا تھا۔ اس دوران میں بیرا مل رکھ کر چلا گیا اور آصف کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چونکا۔ گھری پر نظر ڈالی۔ انور کو گئے ہوئے پندرہ میں منٹ ہو چکے تھے۔ پہلے تو آصف نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی لیکن پھر بڑی طرح چونکا اور ساتھ ہی اُس کی نظر بمل پر پڑ گئی پھر یہ حقیقت اس پر روشن ہو گئی کہ مل کے دام اسی کوادا کرنے پڑیں گے انور اور رشیدہ چکہ دے کر نکل گئے حالانکہ خود انور ہی نے آصف کو چائے کی دعوت دی تھی۔

آصف نے طوعاً و کرہاً مل کے دام چکائے اور ایک مقلوج آدمی کی طرف بدن ڈھیلا چھوڑ کر کرسی کے ایک طرف جھک گیا۔ اُسے آج کے منہوس دن پر غصہ آرہا تھا۔ کیونکہ آج صبح ہی سے اُسے برابر ہر جگہ چوٹ ہو رہی تھی.... اور انور نے تو تابوت میں آخری کیل بھی ٹھوک دی۔

اب وہ تمبا پیٹھ کر کھیاں تو مار نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ کیفیت کا سینا ایک صاف ستری جگہ تھی لہذا آصف کو چھاتی پر صبر کی سل رکھنی ہی پڑی۔

”ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسے نشانات بڑی آسانی سے مہیا کئے جاسکتے ہیں۔“

جیملیا کچھ نہ بولی۔ وہ انور کے صحت مند جسم کا جائزہ لے رہا تھی اور اس کی آنکھیں بار بار اس کے خوبصورت چہرے پر جنم جاتی تھیں۔ انور کہہ رہا تھا۔ ”مسز پیر... اگر آپ میری ہوڑی پر ہٹ مدد کریں تو... قاتل کا سراغ مل سکتا ہے... اور آپ کو کرتا چاہئے۔“

”لیکن ہم کبھی نہیں ملے۔“ جیملیا حیرت سے بولی۔

”یہ ایک افسوس ناک اتفاق ہے۔ میں نے اس کے لئے بہتری تعلیمات کا ترجمہ کیا تھا۔ پیر آپ سے بہت محبت کرتا تھا اکثر کہا کرتا تھا کہ بدھ ازم ترک کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن میں جیملیا کے علاوہ سب کچھ ترک کر سکتا ہوں۔“

”اوہ...! جیملیا کی آنکھیں ڈبڈا آئیں۔“

”آپ خود کو سنبھالئے ہیں پیر کے قاتل سے انقام لیتا ہے۔“ انور بولا۔ ”میں اسی لئے آیا ہوں کہ آپ کو باہر لے جاؤں۔ اگر آپ سوگ میں پڑیں تو یہ پیر کی روح سے دشمنی ہو گی۔“

”ہمیں اس کے قاتل کو ڈھونڈنا ہے۔“

”مگر مسٹر... آر...! وہ اس کے ملاقاتی کارڈ کی طرف دیکھ کر بولی۔“ مسٹر انور... میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔ میں اس دلیں میں آکر لٹ گئی... جانا ہو گئی۔“

”ٹھیک ہے۔“ انور نے کہا۔ ”اتی جلدی کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتا چاہئے لیکن میں آپ کو اپنی اور پیر کی ایک یادگار تصویر دکھاؤں۔“

انور نے اپنے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر جیملیا کی طرف بڑھا دی۔

اس میں جوزف پیر اور انور ایک ہی نیز پر بنیٹھے چائے پی رہے تھے۔ پیر انور کی طرف پیشیروں کی پلیٹ بڑھا رہا تھا اس کے ہونوں پر بے تکلفانہ انداز کی مسکراہٹ تھی انور نے اس تصویر پر بڑی محنت کی تھی اسے اس نے ایک فونگرافر کی دکان سے حاصل کیا تھا۔ حقیقتاً تصویر میں پیر کے ساتھ انور کی بجا تھی کوئی اور تھا انور نے بڑے فکارانہ انداز میں اس کی تصویر الگ کر کے اپنی فٹ کی تھی۔ بہر حال یہ سب کچھ اتنے سلیقے سے کیا گیا تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا مہر سے نفرت ہے۔“

بھی اسے کیسرہ ٹرک نہیں کہہ سکتا تھا۔

”یہ کب کی تصویر ہے۔“ جیملیا نے ہوڑی دیر بعد پوچھا۔

”اوہ یہ ہماری... آخری ملاقات ہے۔“ انور مغموم لمحے میں بولا۔ ”پیر میرے دفتر میں آیا تھا... اور استاف فونگرافر نے وہیں ہماری تصویری تھی افسوس... وہ کام نہ ہو سکا، ہم دونوں نے کرائست اور مہاتما بده کی ملتی جلتی تعلیمات کا ذخیرہ انٹھا کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔“

”اوہ....!“ جیملیا کی آنکھوں میں ابھسن کے آثار تھے۔



اُسی رات کو انگلیز فریدی اور سرجنت حمید نے... انور اور جیملیا کو آر لکھوں میں رہما ناپڑتے دیکھا۔ جیملیا کے گداز جسم کی بوٹی بوٹی تحریک رہی تھی۔

”ہاںیں....!“ حمید آنکھیں نکال کر سر کھجاتا ہوا بولا۔ ”اس کا کیا مطلب۔“

”اسکا یہ مطلب ہے کہ انور واقعی بڑا ذین ہے وہ بھی اُسی نتیجے پر پہنچا ہے جس پر میں پہنچا تھا۔“

”آپ دونوں غلط ہیں۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن ٹھہریے۔“ میں ابھی اس کی

سادگی ذہانت خاک میں ملا دیتا ہوں کیا آپ نے اُسے شریک کر لیا ہے۔“

”اُبھی تک تو نہیں... جب ضرورت سمجھوں گا دیکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اب ہم مجھے کے آدمیوں سے کوئی مدد نہ لے سکیں گے۔“

”شکریہ... میں ابھی آیا۔“

حمدیکو یاد آگیا کہ اُس نے رشیدہ کو کیفیتی سائیپر لیں میں دیکھا تھا۔ جو آر لکھوں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ فریدی کو دیں چھوڑ کر اُس کی تلاش میں نکل گیا۔

پھر اُسے رشیدہ کو آر لکھوں تک لانے میں دشواری نہیں ہوئی اس نے دوبارہ ٹکٹ خریدے اور رشیدہ سمیت رنگ ہاؤز میں داخل ہو گیا۔

رقص شباب پر تھا۔ حمید نے انور اور جیملیا کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

”اُف فو...!“ وہ بڑا بڑا۔ ”آخر یہ انور مجھ پر ہی یہ کیوں ظاہر کرتا ہے کہ اُسے عورتوں سے نفرت ہے۔“

”اب تم ہی سمجھو۔“ حمید لاپرواں سے بولا۔ ”اس کے برخلاف میں تم سے اتنی...!“
”آپ اپنی بات تور ہئے ہی دیجئے۔“ رشیدہ چڑ کر بولی۔

”کاش تم میرے دل کے درد کو سمجھ سکتیں...!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”زیادہ رومانی بننے کی کوشش نہ کرو۔“ رشیدہ کی نظریں بدستور انور اور اس کی ہم رقص پر جمی رہیں۔

”کیا میں تم سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”لیکن وہ ہے کون۔“ رشیدہ حمید کی طرف مڑی۔

”پتہ نہیں... تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“

”میں رقص کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”رشودیز۔“

”اے... دیکھو تم مجھے اس طرح مخاطب نہ کیا کرو۔“

”آج... اچھا...!“ حمید نے دفتار اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ دونوں رقص کرتے والوں کی بھیڑ میں آگئے۔ رشیدہ چھنجلا کر حمید کے شانے پر چکلیاں لے رہی تھی۔

”رشو! تم چاندنی ہو۔“ حمید آہستہ سے اس کے کان میں بولا۔

”میں تمہیں یہیں گرا کر ماروں گی۔“

وہ انور اور اس کی ہم رقص کے قریب سے گزر رہے تھے۔

”دوسروں پر ڈاکہ ڈالنے سے پہلے ہی آدمی لٹ جاتا ہے۔“ حمید اتنے زور سے بولا کہ مو سیقی کے شور کے باوجود بھی انور نے سن لیا۔ وہ مژ مز کر انہیں گھور رہا تھا۔

”یہ رقبات کا معاملہ تو نہیں۔“ رشیدہ بولی۔

”لا جوں... میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن ذرا انور کو دیکھو تمہیں دیجئے کے باوجود بھی اس طرح نظر انداز کر رہا ہے جیسے تمہیں جانتا ہی نہیں۔“

”تو اس سے کیا ہوا۔“

حمدید چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب انور اور اس کی ہم رقص نظر نہیں آرہے تھے۔ غالباً آگے بھیڑ میں تھے۔

”کاش....!“

”میں اب کچھ نہیں سنوں گی۔“ رشیدہ چھنجلا کر بولی۔ ”مجھے الونہ بناؤ۔“

”اوہ! اتنی حسین عورت الو کیسے بن سکتی ہے... ویسے میں تم پر الو کا میک اپ ضرور کر سکتا ہوں۔“

”ہاں بس تم ایسی ہی باتیں کیا کرو۔“ رشیدہ سکرا کر بولی۔ ”رومانی بننے کی کوشش کرتے ہو تو گدھے نظر آنے لگتے ہو۔“

”مگر مجھے اپنا گدھا پین ہی اچھا لگتا ہے۔ گدھے بھی پسند ہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ شعر کہتے ہیں اور نہ وقت بے وقت بور کرتے ہیں۔ گدھا تو بڑی عظیم تخلیق ہے۔ رشودیز! اگر تم کسی گدھے سے شادی کرلو تو۔“

”بک نہیں....!“ رشیدہ بگزگئی۔

”گدھے بڑے سعادت مند شوہر ثابت ہو سکتے ہیں۔ بلکہ میں تو بعض اوقات یہ سوچنے لگتا ہوں گدھے کو شوہر ہی کیوں نہیں کہا جاتا۔“

”حمدید.... مجھے جانے دو۔“ رشیدہ نے اپنا ہاتھ چھپڑانا چاہا۔ مگر حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ ”کیوں... اپنا نمائاق اڑاؤ گی۔“ میں تو بہت ہی بے حیا قسم کا آدمی ہوں۔ اگر تم مجھے مار بھی بیٹھو گی تو... جانتی ہو کیا ہو گا۔“

”کیا ہو گا....؟“

”لوگ مجھے تمہارا شوہر سمجھیں گے۔ گدھے چوں بھی نہیں کرتے۔“ رشیدہ کچھ نہ بولی۔ وہ چپ چاپ حمید کے ساتھ ریتیگی اور تھر کتی رہی۔ اس کے پیر غلط پڑے تھے لہذا اسے زینگنا اور تھر کنایا کہا جا سکتا ہے۔

”رشودیز۔“ حمید نے پھر چھیڑا۔ ”یقیناً تمہیں دکھ ہوا ہو گا۔ مجھے افسوس ہے۔“

”کیا بک رہے ہو تم۔ مجھے کیوں ہو گا افسوس...! کیا میں انور کی بیوی ہوں۔“

”مگر.... وہ.... مم....!“

”بس زبان بند! ہم صرف دوست ہیں۔“

”اسن کی Woman Un Womanly“ بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ سب بکواس ہے۔“

فریدی نے اسی کو فون کیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ مرنے والی جوزف پٹر کی بیوی میمیلا تھی۔ انپکٹر جگدیش آصف کو اطلاع دے کر یہاں آیا تھا اسے معلوم تھا کہ جوزف پٹر اور عرفانی والا کیس اسی کے سپرد کیا گیا ہے۔

فریدی نے خاص طور پر حید کی توجہ ایک چیز کی طرف مبذول کرائی۔ بھورے رنگ کے بڑے بڑے بال لاش کے گرد بکھرے ہوئے تھے پھر وہ دونوں لاش کے پاس سے ہٹ آئے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھنے کی رسمت گوارانہ کی کہ کو تو ای انجارج کیا کر رہا ہے کو تو ای انجارج کو اب دراصل انپکٹر آصف کا انتظار تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید فریدی اپنے آفسروں سے لٹکا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کیس اسے نہیں سوپا گیا۔ ورنہ اس قسم کے پیچیدہ کیسوں کے لئے مجھے میں فریدی کے علاوہ اور کون تھا۔

رشیدہ بھی ان دونوں کے پاس ہی آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

”انور کہاں ہے۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”گھر گیا۔“ فریدی نے جواب دیا۔ ”کسی سے اس کا تذکرہ نہ آئے کہ انور اس کے ساتھ چاچ رہا تھا۔“

رشیدہ کچھ نہ ہوئی۔ مجھ بہر نکلنے کے لئے بے چین تھا لیکن... اسے رکنا ہی پڑا۔ انجارج آصف کے آئنے سے پہلے دروازہ نہیں کھلوانا چاہتا تھا۔

”اور وہ بال۔“ حید آہستہ سے بڑیا۔

”کیا تم نے کوئی درندہ دیکھا تھا۔“ فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

”نہیں تو.... غالباً کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔“

”بس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس بارہ درندہ کھال میں نہیں تھا بلکہ صرف تھوڑے سے بال اپنے ہمراہ لایا تھا... کیا سمجھئے؟“

”غالباً آصف اور سنگھ کا انتفار ہے۔“ حید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولा۔

”پتہ نہیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

انپکٹر آصف آگیا تھا.... وہ سید حالاش کی طرف گیا۔ دو ہی تین منٹ بعد اس کا رخ فریدی اور حید کی طرف تھا۔

”اوہ! تواب تم مجھ پر اپنے مطالعہ کا رعب ڈال رہے ہو۔“ رشیدہ ہش کر بولی۔ ”لیکن تم آلو ہو...!“

”افسوس اسے حور روشن اوپری تمثیل والے عشوہ گرو آگیا بیتال.... میں تم سے مم...!“

”شٹ اپ... میرا محکمہ نہ اڑاؤ۔“

”دفعتا کچھ دور پھر بھیڑ میں ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی۔ رقصوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ چھوڑ دیئے وہ سب ایک طرف جھپٹ رہے تھے۔

حید بھی رشیدہ کو دیں چھوڑ کر اس طرف پکا۔ کئی طرح کی ملی آوازیں ہال میں گونج رہی تھیں۔

اُس نے دیکھا... میمیلا فرش پر پڑی مچھلی کی طرح ترپ رہی تھی اور انور آنکھیں چھاٹے اُسے گھور رہا تھا۔ سب کی توجہ کامر کر میمیلا بینی ہوئی تھی۔ انور کی طرف کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

کسی نے انور کے شانے پر پیچھے سے ہاتھ رکھ دیا۔ انور مڑا اور حید نے اُسے بھیڑ سے نکلتے دیکھا... حید اُس ہاتھ کو پہچانتا تھا۔ وہ فریدی کے علاوہ اور کسی کا نہیں تھا۔

کچھ عورتوں نے میمیلا کو فرش سے اٹھانا چاہا لیکن انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کئی من وزن لوہاٹھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اچانک میمیلانے اپنے ہاتھ پر تان دیئے اور اُس کی پٹیوں کی کڑکڑاہٹ سینکڑوں آدمیوں نے نہیں۔ بس ایسا معلوم ہوا جیسے اس کا جو جوڑا الگ ہو گیا ہو۔...

دوسرے لمحے میں فرش پر ایک لاش نظر آرہی تھی حید نے کچھ درپہلے بھی وہ چہرہ دیکھا تھا لیکن اب وہ اُسے پہچان نہیں سکتا تھا ان میز ہی ہو گئی تھی اور کاہونٹ مڑکتا کسے جملاتھا... اور

دانٹ... بڑے خوفناک معلوم ہو رہے تھے وہ کسی انسان کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی۔

”کوئی... کرے سے باہر نہیں جائے گا۔“ دفعتا ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ ”پولیس۔“ ادھر ادھر ہال کے دروازے بند ہو گئے۔ ہر ایک اپنی جگہ پر جم گیا تھا۔ حید نے فریدی کو دیکھا... وہ آرکسٹرا کے قریب کھڑا جمعے کو گھور رہا تھا۔

خوفناک درندہ

پولیس کی آمد میں دیر نہیں گلی۔ اتفاق سے کو تو ای انجارج انپکٹر جگدیش نہیں ڈیوٹی پر تھا۔

”تم بیہاں کیسے ہو۔“ اُس نے سوال کیا۔
”شکریہ... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید کو بھی آگئی۔
”یہ کیا بد تیزی۔“ آصف حمید کی طرف گوم پڑا۔

”آصف صاحب اوزرا ہوش میں۔ میں مارتا پہلے ہوں۔ اس کے بعد چاہے زندگی بھر سہلا تا رہوں۔ آپ اپنی انسپکٹری کا رعب مجھ پر نہ جھاڑائے گا۔ اگر ہم خود ہی اپنی ترقیوں کو نہ ٹھکراتے رہتے تو اس وقت تم مجھے سلیوت کرتے۔۔۔ اب زبان سے کچھ نہ لٹکو ورنہ خدا کی قسم یہیں ٹھکر ماروں گا۔۔۔ اور ملازمت پر تواب ہم خود ہی لعنت بھینج دے لے ہیں۔“

”کرے۔۔۔ ارے۔۔۔ خاموش۔۔۔ خاموش۔“ فریدی اسے دوسرا طرف گھسیت لے گیا۔
آصف ان دونوں کو گھوڑا تار ہا۔ پھر وہ جھینپ مٹانے کے لئے رشیدہ سے باتمیں کرنے لگا۔
”میں ماروں گا۔“ حمید ٹھیک رہا تھا۔

”کیا گدھاپن ہے جیون سے رہو۔ تمہیں اس کی توہین نہ کرنی چاہئے تھی۔ بوڑھا آدمی ہے۔“
”آپ بھی شے مجھے ہی دباتے رہتے ہیں کیا الغویت ہے کیا میں اس کے باپ کا نوکر ہوں۔“
”اوہ جانے دو بھی۔۔۔ کسی طرح دروازے کھلنے چاہئیں۔۔۔ ورنہ یہ وزندگی تلخ کر دے گا۔“
شاہزاد آصف کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے مہمیلیا کے ہم رقص کے متعلق لوگوں سے پوچھ چکھ کی۔۔۔ لیکن کسی نے کوئی تشقی بخش جواب نہ دی۔ آخر تھک ہار کر اسے دروازے کھلوانے ہی پڑے۔



دوسرے دن کے اخبار میں پھر سنتی خیز سرخیاں نظر آئیں۔ مہمیلیا کی پر اسرار موتو پر کئی زادیوں سے روشنی ڈالی گئی تھی اُن پر اسرار بالوں کا تذکرہ بھی تھا جو اُس کے شوہر کی لاش کے قریب پائے گئے تھے یہ خیال تو سبھی نے ظاہر کیا تھا کہ اُس کی موتو بھی حرکت قلب ہی کے بند ہو جانے پر واقع ہوئی تھی۔۔۔ لیکن دو ہر کو پوست مارٹم کی روپورث نے ایک دوسرا ہی کہانی سنائی۔ اس کے مطابق مہمیلیا کسی خطرناک قسم کے زہر کا شکار ہوئی تھی۔ پوست مارٹم کے دوران میں اس کی بائیں ران پر ایک ایسا نشان پیلا گیا تھا جو کاشا یا سوئی چینچے کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ انگلشن کے خیال کی تردید کی تھی۔۔۔ اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ وہ کاشا یا سوئی بجائے خود نہریلی تھی۔۔۔ مددے

”تم بیہاں کیسے۔“ آصف نے پوچھا۔

”اوہ! تو اب کیا میری بھی گرانی ہونے لگی ہے۔“

”میرا یہ مطلب نہیں ہے۔“ آصف گڑبرا کر بولا۔ ”میا تم پہلے سے بیہاں موجود تھے۔“

”ظاہر ہے۔ اگر موجود نہ ہوتا تو جگدیش کو فون کیسے کرتا اور تمہیں کیوں کر اطلاع ہوئی۔ لیکن خدا را۔۔۔ مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ میں بیہاں کیوں آیا تھا۔“

”فرض کرو اگر میں پوچھوں تو۔“

”تب مجبوری ہے۔“ فریدی اپنے شانوں کو جبکش دے کر بولا۔ ”مجھے صاف صاف بتا دین پڑے گا کہ میں بیہاں اپنے مجھے کے بعض آفسروں کی عقاوتوں کے کفن کیلئے چندہ اکٹھا کرنے آیا تھا۔“

”تم آئی جی صاحب پر چوٹ کر رہے ہو۔“

”تمہارا اظرف نظر ہے۔۔۔ جسے چاہو سمجھو اور۔“

آصف پکھنے بولा۔ وہ چند لمحے لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”اس کا ہر قص کون تھا؟“

”میں پھر تمہیں اپنا مشغله یاد دلاؤں گا۔“ فریدی خفیف سما مسکرا دیا۔

”تم جانتے ہو کہ اس قسم کی معلومات چھپانا جرم ہے۔“

”اوہ۔۔۔ ایسا ہے۔“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا بہ میں ضرور قانون کا مطالعہ کروں گا۔“

”اوہ حمید چلیں۔۔۔ ہمیں اسی وقت سے یہ نیک کام شروع کر دینا چاہئے۔“

”دروازے بند ہیں۔“ آصف بھنا کر بولا۔ ”اوہ میری اجازت کے بغیر نہیں کھل سکتے۔“

”میں دروازوں سے استدعا کروں گا کہ وہ تم سے اجازت طلب کریں۔“

”لوٹنے ہو۔“ آصف اُسے قہر آکو دنوں سے گھوڑا تاہو بولا۔ ”خیر دیکھ لوں گا۔“

”مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔“ فریدی کی بھی بڑی زہریلی تھی۔

آصف نے جانے کیا کیا کہتا ہوا بھاں سے چلا گیا۔ پھر وہ دونوں اسے لاش پر جھکا ہوا دیکھ رہے تھے۔

”لوگ بُرے ہنسنے۔۔۔ مجھے دروازے نہ بند کرانا چاہئے تھا۔“ فریدی بولا۔ ”اب پتہ نہیں کہ تک یہ حضرت جھک مارنے رہیں۔“

دفعتاً آصف پھر تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ اس بارہ وہ رشیدہ کو گھوڑا رہا تھا۔

میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ زہر کسی خارجی طریقے سے کے نظام عصبی پر اثر انداز ہوا۔ انسپکٹر آصف اور انسپکٹر سعید کو چکر آنے لگے تھے۔

اُسی شام کو مکھہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کو اپنی کوئی بھی پر آنے کی دعوت دی پورے مکھہ میں یہی ایک آفسر تھا جسے ان دونوں سے ضد نہیں تھی اور صرف یہ تو ایسا آفسر تھا جس کا فریدی صحیح معنوں میں احترام کرتا تھا۔

”آصف نے تم دونوں کی شکایت کی ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی مسکرا کر بولا۔

فریدی اس پر سارے واقعات دھراتا ہوا بولا۔ ”اب آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ زیادتی کس کی ہے.... وہ حضرت خواہ مخواہ حمید کے منہ لگا کرتے ہیں۔ حمید میرا استثنی ہے اس لئے کسی دوسرے کو اس سے سروکار نہ رکھنا چاہتے۔ میرا اس پر کیا برداشت ہے یہ میرا بخی معاملہ ہے۔ میں اسے اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔“

”میرے خیال سے بات کچھ اور ہے آصف کا خیال ہے کہ تم ان وارداتوں کے متعلق کوئی خاص بات جانتے ہو جسے چھپا رہے ہو۔“

”اس کا خیال بالکل درست ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ایک نہیں درجنوں باتیں جانتا ہوں اور یہ بات صرف آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں کہ میں بخی طور پر اس کیس سے دستبردار نہیں ہوا کیونکہ عرقانی سے میرے قریبی تعلقات تھے اور میں اس سازش کے سراغنہ کی کھوپڑی توڑے بغیر نہ رہوں گا۔“

”لیکن سنو....!“ ڈی۔ آئی۔ جی مشقانہ انداز میں بولا۔ ”فی الحال نہ جانے کیوں آئی۔ جی صاحب تم سے خوش نہیں ہیں۔“

”میں جانتا ہوں انہیں انگریزوں سے عشق ہے۔“ فریدی نے تنفس سے ہونٹ سکوڑ کر کہدی۔ ”میرا مخصوص اجازت نامہ منسون خرید دیا گیا ہے.... یہ میری کھلی ہوئی توہین ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی کوئی مجھے مجبور نہ سمجھے۔ مجھے خدا کے بعد اپنے بازوؤں پر بھروسہ ہے۔“

”کیا تم.... اس عورت کے ہر قص سے واقف ہو۔“

”جی ہاں.... لیکن وہ میرا آدمی تھا۔ میں شروع ہی سے یہ سمجھتا تھا کہ مہملیا بہت کچھ جانتی ہے۔“

لیکن اس کے ساتھیوں کو اس پر اعتماد تھا اسی لئے وہ اب تک بیچ رہی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ میں جال اس کے گرد مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو انہوں نے اُسے بھی ٹھکانے لگادیا۔“

”ہم رقص کون تھا۔“

”کرامہ رپورٹ انور۔“

”اوہ....!“

”لیکن یہ اطلاع صرف آپ کے لئے ہے۔ میں نے آپ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔“ ”تم مطمئن رہو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی سکار کا ذرہ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”لو پپڑ۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے تھا شہ سکار پیتے ہو۔“

فریدی نے سکار لے لیا۔

”تم....!“ ڈی۔ آئی۔ جی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

”میں نہیں پیتا۔“ حمید نے شرم کر کہا۔

”میں نے ساہے تم، بہت شیطان ہو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی ہٹنے لگا۔ اور حمید کسی کنواری لڑکی کی طرح بچ چکے اور زیادہ شرم مانگا۔

”میں آپ سے کیا عرض کروں کہ یہ کتنا عظیم آدمی ہے۔“ فریدی بولا۔

”میں جانتا ہوں.... لیکن تم دونوں کو نصیحت کروں گا کہ جو کام کرو احتیاط سے کرو۔ اس وقت حالات تھا رے ناموفق ہیں۔“

”ہم پورا پورا خیال رکھیں گے۔“

”اور حالات سے مجھے باخبر رکھنا۔“

”میں نے ہر موقع پر یہیں کیا ہے۔“

”اور ہاں کسی دن.... بچے تمہارے عجائبات کا ذخیرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”ضرور.... بڑے شوق سے۔ جب دل چاہے۔ مجھے صرف ایک گھنٹہ قبل اطلاع کرو۔ یہ بھی گا۔“ ”تم کو گے آج میں نے فرمائشوں کے ذہیر لگادیے۔ میرے بڑے لڑکے کو تو جانتے ہی ہو گے۔“

”جی ہاں.... وہ جو تاریخ میں استثنی کہنے لگیں۔“

”ہاں.... اُسے بلڈ ہاؤنڈ کا ایک جوڑا چاہئے۔ مجھے سے کہا تھا کہ تم سے سفارش کروں۔“

”اوہو.... اس میں سفارش کی کیا بات۔ میرے پاس اس وقت چار جوڑے ہیں۔ جو پندرہ ہو لے لیں۔“

”کل کتے کتے ہیں تمہارے پاس۔“

”چھیالیں...!“

”اوہ.... اور سانپ.... آخر سانپوں سے تمہیں کیوں اتنی دلچسپی ہے۔“

”میں خود بھی نہیں جانتا۔ لیکن سانپ مجھے بہت پیارے لگتے ہیں۔“

”تمہارے شوق.... انہائی عجیب و غریب ہیں۔ لیکن خطرناک بھی ہیں۔ تم شادی کیوں نہیں کرتے۔“

”ابھی دل نہیں چاہتا۔“ فریدی نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

”کوئی ترجیبی....؟“ ذی۔ آئی۔ جی۔ مسکرا یا۔

”نہیں صاحب! مجھے کبھی ادنی قسم کا جانور بننے سے دلچسپی نہیں رہی۔ میں جنمیت کو ایک سیدھا سادا مسئلہ سمجھتا ہوں ہے آدمی جیسے سمجھدار جانور کے لئے اتنا ترجیبہ نہ ہوتا چاہئے کہ وہ شاعری کرنے لگے۔“

”بُوے خنک آدمی ہو۔“ ذی۔ آئی۔ جی۔ ہنسنے لگا۔

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔“ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جنمیت کی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ مگر میں ابھی اس کے پیچے لگانا نہیں چاہتا۔ ورنہ وہ اس کا بھی خاتمہ کر دیں گے۔“

”کون ہے؟“

”برنارڈ.... یہاں کے مشہور لوگوں میں سے ہے۔ لیکن ہمارے پاس ابھی تک اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔“



رات تاریک اور خنک تھی۔ فریدی اور حمید دن بھر لی تھکن کے بعد آرام کرنے جائز رہے تھے کہ انور آگیا۔ شاید وہ بھی دن بھر کا تھفہ ہوا تھا۔ لیونکہ اس کے چہرے پر سلمندی کے آثار تھے۔

”آپ نے ٹھیک کہا تھا۔“ وہ فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ ”آصف سچ ہے میرے پیچے لگ۔

”یا ہے۔“

”لیکن! یہ نہ سمجھو کو اُسے تم پر شہمہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اُس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے کہ تم ہی کچھی رات کو جنمیت کے سر قص تھے۔“

”پھر.... وہ کیوں آج سارا دون میرا تعاقب کرتا رہا۔“

”اوہ سید ہی کی بات ہے اُسے یقین ہے کہ میں اس کیس سے دستبردار نہیں ہوا۔ اور تم یہ رئے کام کر رہے ہو۔ لہذا وہ تمہاری نگرانی کر کے جرم کے متعلق میرے نقطہ نظر کو معلوم کرنا چاہتا ہے۔“

اور ہش کر بولا۔ ”لیکن وہ بھی کیا دکرے گا۔ آج میں نے اُسے اتنا دوڑا دیا ہے کہ کل شاید بیری طرف رخ کرنے کی بھی ہوتہ کر سکے۔“

”خیر اُس کام کا کیا رہا۔“ فریدی سگار سلاکتا ہوا بولا۔

”برنارڈ کے چھ ملاقاتیوں کے نام اور پتے میں نے نوٹ کے ہیں۔“ اور نے جیب سے ڈائری نکالتے ہوئے کہا۔ ”پھر حمید سے بولا۔ ”لکھ لو۔“

حمدی نے جیب سے اپنی ڈائری نکال کر پتے نوٹ کے کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ”اس میں ایک نام قبل غور ہے۔ لیکر ٹھر آر ٹھر.... اسے تم نے کہاں دیکھا تھا۔“

”برنارڈ کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اپنی بغل میں ایک بڑا سا پیٹ دبائے ہوئے تھا۔“

”ہوں! اور آصف تم سے کتنے فاضل پر تھا۔“

”آصف اُس وقت مجھے کھو چکا تھا۔“ اور ہش کر بولا۔ ”میں اُسے ڈاچ دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔“

پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔

”لیکن....“ اور سگریٹ سلاکر بولا۔ ”آصف اُس وقت موجود تھا جب میں نے ایک عجیب اغرب منتظر دیکھا تھا کیا آپ یقین کریں گے کہ میں نے جوزف پیٹر اور پیٹلیا کو زندہ دیکھا ہو گا۔“

”ہاں ہاں یا ر....!“ حمید جماہی بلے کر بولا۔ ”نیند آرہی ہے اس لئے یقین کر لیں گے۔“

”زندہ دیکھا....؟“ فریدی کے لمحہ میں حرمت تھی۔

”میں نے ان دونوں کو ایک کار میں سوار ہونتے دیکھا تھا.... اور کار کی روائی کے بعد میں

نے آصف کی بد حواسی بھی دیکھی تھی۔ وہ کافی دور تک اس کے پیچے دوڑتا چلا گیا تھا۔ میں بھی پیدل ہی تھا اور وہ جگہ ایسی تھی کہ دور دور تک ٹرینیک کا پتہ نہیں تھا۔
”کہاں دیکھا تھا۔“

”پولو گرواؤنڈ کے قریب۔“

”اوہ....!“ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

”قاسم نے بھی عرفانی کا بھوت دیکھا تھا۔“

”انور.... یہ غب تو نہیں ہے۔“ حمید نے اسے گھوڑ کر پوچھا۔

”آصف سے تقدیق ہو جائے گی۔“ انور برا سامنہ بنا کر بولا۔

” مجرم جاگ رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کم از کم وہ میری اور میرے ساتھیوں کی نقل و حرکت سے توہر وقت باخبر رہتے ہیں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتا۔“

”قاسم حمید کا دوست ہے اس لئے اس نے عرفانی کا بھوت دیکھا۔ تم میرے لئے کام کر رہے ہو اس لئے تمہیں بھی دو مردے نظر آئے... وہی کھلیں جو پرانا بھی ہے اور گندہ بھی پھیلایکی لاش کے قریب ذیلے ہی بال پائے گئے تھے جیسے اس کے شوہر کی لاش کے قریب ملے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ درندہ رنگ ہاؤز کے کثیر مجمع میں داخل ہوا ہوتا تو سیکنڈروں کی نظریں اُس پر پڑتیں۔ لیکن بالوں کی موجودگی اُسی درندے کی کہانی سناتی ہے۔ وہی پرانا اور گندہ کھلیں... بھوت پریت۔ مجرم چالیں ضرور چل رہے ہیں مگر ان چالوں میں کچاپن ہے۔ ان باتوں کی اہمیت اُس وقت ختم ہو جاتی ہے جب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ زہر کا افسانہ سناتی ہے۔“

”لیکن یہ تو دیکھئے کہ قاسم نے عرفانی کا بھوت جبر اللہ کے بیہاں دیکھا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا جبر اللہ احقر ہے۔ اگر اس نے دینہ دانت اپنے بیہاں قاسم کو عرفانی کا بھوت دکھایا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود ہی پولیس کو اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے۔“

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتاً کمپاؤنڈ میں کتنے بھونکنے لگے۔ بیک وقت چھیلیں کتوں کا شور تھا۔

”کیا ان کم بخنوں کو فرج ہو گئی ہے۔“ فریدی بڑھ لیا۔

پھر انہوں نے نوکروں کی بھی چیختیں سئیں۔ وہ جھپٹ کر برآمدے میں آئے۔ ایک نوکر کری میں انک کر فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا اور بقیہ اندر کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ابھی باہر کی روشنی گل نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے کمپاؤنڈ میں اندر ہر انہیں تھا۔ انہوں نے چھانک کے قریب ایک طویل القامت اور خوفناک بن ماں دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی لکڑی تھی.... اور وہ آسی لکڑی سے رکھواں کرنے والے اسیشین کتوں پر جھپٹ کر جھپٹ کر جملے کر رہا تھا۔

”حمید.... را تکل۔“ فریدی چیخا۔ حمید بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔ چاروں اسیشین بن ماں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ اتنے میں را تکل آگئی۔ حمید تارچ بھی لیتا آیا تھا۔ فریدی نے دو فارے کے پہلے فارے پر بن ماں نے قلابازی کھائی۔ پھر اٹھائیں دوسرے فارے فارے اُسے ٹھنڈا کر دیا۔ وہ تینوں گم سم برآمدے میں کھڑے رہے پھر آگے گئے۔ اسیشین بڑے جوش و خروش کے ساتھ مردہ بن ماں کو جھنجورڑز ہے تھے۔ فریدی نے انہیں الگ کیا۔

بن ماں کا قدر کسی انتہائی لمبے آدمی کے قدر سے کم نہیں تھا۔ اس لئے حمید کو موقع تھی کہ بھورے رنگ کے بالوں والی کھال کے پیچے کوئی آدمی ہی برآمد ہو گا۔

لیکن اُس نے صرف مایوسی ہوئی بلکہ حیرت بھی ہوئی جب کہ وہ سو فیصدی بن ماں ہی ثابت ہوا۔ لیکن ایک عجیب و غریب بن ماں جس کے بال بھورے تھے اور قد ایسا کہ شاندی اس سے قبل اتنا طویل القامت بن ماں دیکھا کسی حصے میں نہ دیکھا گیا ہو۔

”درندہ....!“ فریدی بڑھ لیا۔ ”اس کے بال دیسے ہی ہیں جیسے ان دونوں لاشوں کے قریب ملے تھے۔ حمید سارے کتے کمپاؤنڈ میں آزاد چپوڑا اور انور اب تم اس وقت واپس نہیں جاؤ گے۔“

حمید اور وہ لڑکی

کچھل رات کے والیتے پر پھر فریدی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ لیکن سر جنٹ حمید کے ذہن میں کئی گھیاں تھیں۔ اس درندے کو دیکھنے سے قبل اس کا خیال تھا کہ مجرم معاملات کو پُر اسرار ہانسنے کے لئے اپنے شکاروں کے بھوقوں کی نمائش کر رہے ہیں اور اس کا سلسلہ انہوں نے جو زف

دیکھا لیکن فریدی نے اسے باتوں میں الجھا دیا۔ ”ہاں دیکھو.... رپورٹ میں اس درندے کے بالوں کا تذکرہ ضرور آئے اور ان بالوں سے متعلق بھی کوئی کائنے کی بات ہو جوان دونوں لاشوں کے قریب پائے گئے تھے۔“

اور ناشتہ چھوڑ کر لکھنے کی میز پر جائیٹا۔۔۔ فریدی نے حیدر سے کہا۔

”جمید تم ذرا کمیرہ وغیرہ ٹھیک کرو۔ اخبار میں تصویریں بھی ہوں گی مختلف زاویوں سے۔“
سارے مراحل طے ہو جانے کے بعد انور چلا گیا۔

”اب بتائیے۔“ جمید فریدی کو جھوٹا ہوا بولا۔ ”آپ نے مجھے اتنے دنوں تک تاریکی میں کیوں رکھا۔“

”تو تم سمجھ گئے۔“

”اب اتنا گاؤں بھی نہیں ہوں لیکن یہ بتائیے! لڑکال جنگل کا نام اچانک آپ کے منہ سے نکلا تھا! آپ پہلے سے سوچ پکھے تھے۔“

”نام تو اچانک ہی نکلا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جنگل کا نام لوں۔ اچانک یہ نام زہن میں گونجا اور ساتھ ہی تعلیمی ناش کے وہ پتے بھی یاد آگئے لڑکے کی تصویر اور لڑائی کا نقش۔۔۔ لڑائی کو جنگ کر دو۔ لڑکا کے ساتھ وہ لام ملا لو کارڈ کا حروف ہے۔ اس طرح لڑکال بنتا ہے اور جنگ کے ساتھ لام ملانے سے جنگل۔ عرفانی کے ساتھ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو وہ بھی اس معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے۔ ظاہر ہے کہ بن ماں جنگلوں ہی میں رہتے ہیں۔ گھنے جنگلوں میں۔۔۔ استوائی خطوں کے جنگل کہہ لو لیکن ہم خط استوپر نہیں رہتے۔ لہذا قدرتی بات ہے کہ ہمارا ذہن گھن جنگل ضرور ڈھونڈے گا اور اس علاقے میں صرف ایک ہی گھن جنگل ہے جو دس میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے اور یہ ہے لڑکال جنگل۔۔۔ لیکن۔۔۔ اس پیچارے جنگل میں معمولی بندر بھی شاید ہی ہوں۔“

”تو پھر اگر اس گروہ کا تعلق لڑکال جنگل سے ہے تو اس خبر پر اس کے افراد بڑی طرح چوکیں گے۔“

”یقیناً۔۔۔!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن اب ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ اودہ آن ابھی تک اخبار بھی نہیں دیکھا۔۔۔ ذرا سر خیال پڑھ جاؤ۔“

جمید نے میز پر سے اخبار اٹھایا اور بلند آواز سے سر خیال پڑھنے لگا۔ ایک جگہ وہ رکا اور اس کی

کی موت کے بعد ہی سے شروع کر دیا تھا اس کی لاش کے قریب بالوں کی موجودگی کسی درندے ہی کی طرف اشارہ کرتی تھی لیکن اس درندے کو کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ اس پر فریدی نے خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید اس کا قاتل کسی درندے کی کھال میں آیا ہو۔ بات قابل قبول تھی۔۔۔ پھر جنمیلا بھرے مجھے میں ختم ہو گئی۔ اس کی لاش کے قریب بھی ویسے ہی بال پائے گئے لیکن درندے دکھائی نہ دیا۔ اس سے فریدی کے قائم کردہ نظریے کو تقویت پہنچتی تھی۔ یعنی اس درندے کی آز میں کوئی آدمی ہی کام کر رہا تھا۔۔۔ مگر بچھل رات۔۔۔ جب انہوں نے اس درندے کو دیکھا تو اس نظریے کا قریب قریب خاتم ہی ہو گیا اور اس بات میں بھی کوئی وزن نہ رہ گیا کہ وہ درندہ کوئی مافق الفطرت ہستی تھا اگر یہ بات ہوتی تو وہ معمولی جانداروں کی طرح رانفل کی گولی سے ختم نہ ہو جاتا۔ اب تو یہ بھی سوچنا پڑ رہا تھا کہ اس معاملے میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے بھی یا نہیں۔۔۔

اول تو اس سائز کا بن ماں ہی آج تک دریافت نہیں ہوا تھا۔ دوسرا بات یہ کہ وہ اس بھرے پرے شہر میں آیا کہاں سے۔ اگر وہ کسی کا پالتو تھا تو بھی اس کی شہرت کم از کم ان کے کانوں تک ضرور پہنچو گئی کیونکہ یہ بن ماں ایک عجوبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے پانے والے نے اسے صندوق میں بند کر کے تور کھانہ ہو گا۔۔۔

ناشتر کی میز پر مکمل خاموش تھی۔ فریدی، جمید اور انہوں اپنے خیالات میں اچھے ہوئے۔ دفعٹا انور بولا۔ ”آپ اس کی لاش کو کیا کریں گے۔“

”مشتر کروں گا۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کیا تم چار گھنٹوں کے اندر اندر اپنے اخبار کا؟“
ورق والا مخصوص ضمیمہ چھاپنے کا انظام کر سکو گے۔“

”ضرور۔۔۔ یہ تو بڑا اچھا خیال ہے۔ خصوصاً میں اپنی رپورٹ سے بڑے اچھے پیسے بنا سکوں؛ لیکن کیا آپ یہ ظاہر کریں گے کہ آپ نے اس کا شکار اپنے گھر پر کیا ہے۔“

”نہیں۔۔۔ لڑکال جنگل میں۔“ فریدی بولا۔
دفعٹا جمید چوک کر فریدی کو گھورنے لگا اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

”کیا کہا آپ نے۔“ جمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
”صبر۔۔۔ فرزند۔۔۔ صبر۔۔۔!“ فریدی مسکرا کر ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

جمید بیٹھ گیا۔ لیکن وہ شدت جذبات سے پھٹا پڑ رہا تھا۔ انور نے جیرت سے اس کی طرف

قہاد آفیں کیلی ایکیوائیں پہن اُس دکھنے لئے کوئی ناچیں دلکشی نہ تھی۔ گھروڑہ بیج۔ لایک اشاپیڈ وہ ان میں سے کسی کی دوست تھی۔ وہ نسل ایکلو اونٹین لیکن اُس کے آبیوائھاں میں مشرقاً۔ تھے۔ کمی بارہہ نیز بیٹھ۔ عیدیتی گھروڑی ہوئی۔ بھالہوں تک مقابیتیں بھائی بھی تھیں۔ ۱۷۷۱ء۔

”س، آخر ایک لڑکی لئے ملاؤں کا تعارف کراؤ۔ اس تجھے یہ ہوا کلا جیہد و قتل کی تراکت کا بھاطناکے لیے گواہیں از لکھوائیں چاہئے پانٹس پورا بھی ہو گیا۔ تو فیری کی نظر و ملٹی قرآنکل جاتا اس وقت نامکن نہیں تھا۔ آر لکھو میں وہ کافی دیر تک بیٹھے۔ نی لڑکی ہر دن فیری کو بولنی شروع اور اندر تھیں یہ وہ پیو تو قوف ہوتی تھیں جلد تک شدید ہوئی تھیں۔ جو بورہ ہو رہیں تھیں۔ کیونکہ میراجنٹ حیدر کی شیخیت اُن کے لئے بھی تھی۔ اُن کے دل کی تھیں۔ اُن کے دل اُن کے لئے اجھی طرح بھائی تھیں۔ یادوں سے لے گا۔ اُن کے دل اُن کے لئے اجھی طرح بھائی تھیں۔ اُن کے دل اُن کے لئے اجھی طرح بھائی تھیں۔ اُن کے دل اُن کے لئے اجھی طرح بھائی تھیں۔ اُن کے دل اُن کے لئے اجھی طرح بھائی تھیں۔ اُن کے دل اُن کے لئے اجھی طرح بھائی تھیں۔“

”مجھے ایکلو اونٹین بڑے اچھے لگتے ہیں۔“ حیدر بولا۔
”لے دے۔ لے دے۔ فرمی۔“ جن اپنے لے لے دیں۔
اور نہ دی۔“

”نہیں پسند کرائیں تو ہم میں جا بیل تو میں تو اپنی بابت کڑا جائیں۔“ جن اپنے دی۔
”آپ بھی دل سے نہیں پسند کر ستے۔ تو زماں ملٹاں اور جیہد کو پا تھیں جوں دیکھا پڑ۔ کیونکہ وہ ان لڑکیوں کی موجودگی میں جتنی یوں قوف نظر آئی تھی اب اُن کے بریکسی ہوتی جا رہی تھی۔
”صرف دل نہیں بلکہ جگر، گردے اور بچھپڑتے لئے تھے میں پسند کرنا تھا جوں۔“ حیدر بولا۔
”وہ پہنچنے لگی۔“

”آپ بڑے اچھے دوست تھے۔ تو ہم تھوڑے تھیں۔“ وہ بڑا۔ پیاروں سے بولی۔
”اوہ اپا۔“ اپا کہا تھا۔ ”حیدر خوبی بیاں ہے۔“ وہ میں بولائیں۔ آپ کا بڑا سیلاری سرخخ کو ان دلختا ہوا جوں میں اگھیزیں۔ سلطان جاہیں۔ جوں پڑھ جانے پڑا۔ اور اُن کو تھیں۔“
یا ج۔ ”یعنی کبھی کر۔ آپ کیا کہتا چاہے ایں۔ دل دلکھات۔ ۲۰۰ سیں، بخوبی تھے تھیں۔“
”اوہ ج۔“ میں پکھا۔ میں کہتا پہنچا۔ تو ہم تھے۔ پہنچ کھول لیکی۔“ بخوبی تھے تھیں۔“
”اوہ ج۔“ پاٹھا۔ بجتا تھا۔ تو ہم تھے۔“ تو ہم تھے۔“ لے دے۔“ جن اپنے دل دلکھات۔“

نظریں تیزی سے پوری خبر پر دوڑتی چلی گئی۔
”کیا بات ہے.... رک کیوں گے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ آنکھیں بند کئے آرام کری پر شیم دراز تھا۔

”منے...!“ حیدر جلدی پڑھنے لگا۔ ”مسٹر اور مسز جوزف پیر کے بہوں انکش سفارتخانے میں۔“ ۱۷۷۱ء۔ پیر گیارہ بجے شب کو انکش سفارتخانے میں بھگدڑج گئی۔ انگستان کے سفر کل گیارہ بجے شب کو ایک اہم دستاویز ترتیب دے رہے تھے کہ اچانک ان کے کمرے میں ان کے دو یہے شناسادا غل ہوئے جن کی موت حال ہی میں واقع ہوئی تھی۔ یہ نہ اسرار طریقے پر مر۔۔۔ والے مسٹر اور مسز جوزف پیر تھے وہ دونوں حسب دستور اپنے قدیم مخصوص بے تکلفانہ انداز میں ہزا یک لیلنٹسی کی طرف پڑھے۔۔۔ اور ہزا یک لیلنٹسی اپنے ہوش و حواس پر قابو نہ رکھ سکے۔ جب انہیں ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ وہ دستاویز اور کمی دوسرا۔ اہم کاغذات جو حکومت برطانیہ کے بعض اہم رازوؤں سے تعلق رکھتے تھے غائب ہو گئے۔ اس جیزت انگریز واقعہ کی بناء پر سفارتخانے میں سنسنی پھیل گئی ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی ہے لیکن سفارتخانہ خیل طور پر بھی کچھ کر رہا ہے۔“

حیدر خبر پڑھ چکا تھا۔۔۔ اور کمرے میں قبرستان کی سی خاموشی تھی۔
”تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ۔۔۔ وہ بہوں خاص طور پر ہمیں دکھانے کے لئے نہیں بنائے گئے تھے۔“ حیدر تھوڑی دیر بعد بولا۔
فریدی خاموشی سے چھت کی طرف دیکھتا رہا۔

شام ہوتے ہوتے فریدی کی کپاؤٹن میں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ اشارا کا ضمیرہ شائع ہو کر باخوبی باٹھ فروخت ہو چکا ہے۔
محکمہ پولیس اور سراغ رسانی کے قریب قریب سارے ہی حکام وہاں جمع تھے۔ فریدی انہیں ایک دلچسپ فرضی داستان سنارہا تھا کہ کس طرح اس نے پچھلی شام کو لڑکاں جنگل میں وہ عجیب غریب درندہ شکار کیا تھا۔۔۔ سر جنٹ حیدر اپنے آفس کی ناقص سٹ لڑکیوں میں گھر کر رہ کیا تھا۔ وہ ان کے زخم سے کبھی کا نکل گیا ہوتا۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود ہی ان میں گھر ارہنا چاہیے۔

”نہیں....!“ حمید سنجیدگی سے سر بلا کر بولا۔ ”میں اپنے باپ سے پوچھے بغیر اظہار محبت نہ کروں گا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا۔“
روزا پھر نہیں دی۔ وہ یونی پار پار اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کر رہی تھی۔ ”میرا دل چاہتا ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کہ میں اس رات کا کچھ حصہ کسی ویرانے میں بس رکھوں۔“
”اوہو.... تو آؤ چلیں.... اُس وقت منٹوپارک بالکل دیر ان ہو گا۔“ روزا نے نہیں کر کہا اور حمید کے جسم پر جیو نیباں میں روکنے لگیں۔

دونوں اٹھ گئے کلوک روم میں پہنچ کر روزا نے حمید سے کہا۔ ”درائیور یے میں گھر پر فون کرنا تو بھول دی گئی۔ وہ پھر والپس چل گئی۔ حمید کلوک روم میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ خود کو دنیا کا بہت بڑا آدمی تصور کرنے لگا۔ اتنی جلدی لڑکیاں اس پر اعتماد کر لیتی ہیں۔ اُس کے علاوہ اور شاید ہی کوئی ایسا ہو.... روزا والپس آگئی۔ باہر نکل کر انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور منٹوپارک کی طرف روانہ ہو گئے۔

”بات یہ ہے۔“ روزابولی۔ ”میں زیادہ رات گئے تک بغیر اطلاع گھر سے باہر نہیں رہ سکتی۔“
”بھی شریفوں کی پیچان ہے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔
”میرے ڈیڑی بہت سخت آدمی ہیں۔ ان کی تائید ہے کہ میں کسی انگریز سے دوستی نہ کروں۔ دیسیوں کے ساتھ مجھے کر خوش ہوتے ہیں۔“
”تمہارے ڈیڑی کیا کرتے ہیں۔“
”جیسا اینڈ مور گن کے نجمر ہیں۔“
”تام کیا ہے؟“

”مکار نس برناڑا.... عمدا لوگ انہیں کی برناڑ کہتے ہیں۔“
حمدید نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ لیکنی منٹوپارک کی طرف چل پڑی تھی اور نئے نئے شہرات اس کے ذہن میں سراہارنے لگے تھے۔ روزا نے اسی برناڑ کا حوالہ دیا تھا جو پولیس کی نظروں میں عرصہ سے کھلک رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کیا وہ خطرے میں ہے کیا روزا نے منٹوپارک کی تجویز کسی خاص مقصد کے تحت پیش کی تھی.... اور پھر وہ اُسے کلوک روم میں چھوڑ کر فون بھی کرنے لگی تھی۔ لیکن حمید کے ذہن نے پھر سنپھالا لیا۔ اگر وہ کسی قسم کی

سازش کر رہی تھی تو اُس نے اپنے باپ کا نام کیوں بتا دیا۔ ظاہر ہے کہ برناڑ بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ پولیس اُس کی طرف سے اچھے خیالات نہیں رکھتی۔ نہیں فی الحال کسی سازش کا امکان نہیں.... دفعٹا پھر ایک دوسرا سوال اُس کے ذہن میں اُبھرا۔.... وہ تھا ہے۔ اگر چند معلوم آدمیوں نے اُسے ٹھکانے لگا دیا تو پولیس کو کیا پتہ چل سکے گا۔ مجرموں کے نام پر دہ راز ہی میں رہیں گے۔

”میسا سوچنے لگے۔“ روزا نے اُسے ٹھوکا دیا۔

”میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم نے اپنے ڈیڑی سے کیا بہانہ کیا ہو گا۔“
”پچھے بھی نہیں.... میں نے صاف صاف بتا دیا کہ میں اس وقت ایک آفیسر سارجنٹ حمید کے ساتھ ہوں اور پچھر دیر بعد والپس آؤں گی۔“

”انہوں نے پچھے کہا نہیں۔“

”پچھے بھی نہیں۔“

”اگر ہم منٹوپارک کے بجائے کہیں اور چلیں تو۔“ حمید نے پوچھا۔

”شہر کے اندر ہی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تمہیں دیر انہ چاہئے تا۔ وہ تو تمہیں میرے مکان پر بھی مل جائے گا.... آؤ میرے گھر چلو.... ڈرائیور.... گاڑی موڑلو۔“

اس نئی تجویز پر حمید کی الحصہ بڑھ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر سازش نہیں ہے جب بھی اس کا برناڑ کے گھر پر جانا ٹھیک نہیں کیونکہ فریدی اُسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔

”کتنی عجیب و غریب باتیں ہونے لگی ہیں۔“ روزا نیکی موزتے ہی بڑھانے لگی۔ ”سفارت خانے کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہو گا۔“

”ہاں بھی معلوم ہے لیکن میں تمہارے گھر بھی نہیں جانا چاہتا۔“

”کیوں.... آخز کیوں؟“

”بات یہ ہے کہ تمہارے ڈیڑی کے تعلقات پولیس سے اچھے نہیں ہیں۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں ان کی ٹوہہ میں آیا ہوں۔“

”لیکن میں تو سمجھتی ہوں.... میں خود آپ کو لے جا رہی ہوں۔ ڈیڑی کی بعض باتیں مجھے بھی پسند نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ انہیں ترک کر دیں۔“

بھی پر کوئی نہ ہوس چیز کافی قوت رہے پڑی اور وہ ایک بارے جان فیضت کی طرح ذمہ دہنگاں لے لے گا (نہ)
جس نے دل رکھ دیا تھا اور اس کے ساتھ میں پڑھنے والے اپنے زندگی کے لئے اپنے دل کو بھی
بھیڑ کا ساتھ دیتا۔ یوں اس لاملا جنم دیکھ دیا جائے گا۔ اسی طبقے میں مدد و مدد
د و حمل
بھی پڑھنے چاہیے۔ ”مریم“ میں بحث بتاتا ہے۔

کرامہ نو پر انور اف گھٹیں ویکھتی پڑا دامتن گلزار چکے تھے لیکن مرتوب گذاشت کے بدلے میں
کسی .. شے کھا دیا دی اور نہ سیدھی واپس آپ۔ ”لپٹ لپٹ جسے والینا“

بیہم روئی دھاگی دی اور سہ میدان و میڈن یہ پڑھتے
وہ حمید اور روزا کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا اس نیلیں آرائیں کر کچھ لے لئے بھل کر رہا تھا نیز پڑھتے
دیکھ کر اس کی ایسا بھروسہ بھیں انہیں کسی پیچھے لگانی نہیں کر سکتا تھا اسی میں سے ان کا تعاقب کرتا ہوا تھا اس
تعاقب کی وجہ پر چھپی ہے اس نے تجسس کرنے کو بخوبی پیاسا تھا اس کا اگر اپنے یہ معلوم ہونا کر فریادی
دیدہ دو انسٹے بر تارڈ کو نظر انداز کر رہا ہے تو اسے حمید کی ان تحریکیں پڑھیں کہ جو حق اسی حالت میں

یہ دو اقسام برداشت کر رہا تھا۔ اسکے شامخہ میلاد اپنی تحریک سے واقع، نہیں لائیا جاتا۔ اسے نہ لیجئے
میں اُن سے یہی سوچنا پڑا۔ اکثر شامخہ میلاد اپنی تحریک سے واقع، نہیں لائیا جاتا۔ اسے نہ لیجئے
بہر حال اُس نے موڑ سا تکلیف ان کی تھی۔ پہنچنے والوں کی تحریک بھیں لیکھنی پڑیں تو اُسی بیٹھے ہوئے،
تھے اتفاق لئے اُس نے پہنچنے والوں کی تحریک بھاگ دھرا بھاگ دھرا اسی لئے اتحید اُس کے اندر کی جگہ پر موڑ سا تکلیف ان کی آواز
نے سکا درد اُس کا یہ شہمہ یقین کی حد تک پہنچ جاتا کہ لوہہ منیں ساریں کامیاب رہے گے اور والا ہے یہ
کہ تو ہوئی ہی دو رنجیں کیں لیکھنی جب کہ پھر پہنچنے والوں کی طرف سے لیگیں لیگیں اور تو اُن کا شہمہ اور تریکاہ پختہ
ہو گیا تھا اور المثل تھے تعالیٰ جہاڑی رکھتا تھا میں اللہ تعالیٰ لہ امانت رکھنے والیں آیا۔ اللہ
پانچ منٹ اور گزر گئے لیکن عمارت بیرون پیروٹا تھا۔ یہی راهیں لاواڑا کو یقینی ہو گیا کہ میلاد ضرور
کسی مصیبت میں یا تو پھنس گیا ہے یا چھپنے والا ہے۔ وہ اچھی طریقہ جاننا تھا کہ بولو ہتھ میلاد کی سب
سے بڑی نکری و نوچی ہے وہ سماں کا تردد ہے اپنے کمیں مطلاعیت رکھنا ہے۔ لیکن ایک ایسی ترین
عورت بھی اُسے اچھی طرح اونماستی کے۔

ورت ہی اسے اپنی سرس اوبیا ہی ہے۔
اُس نے موڑ سائکل وہیں اندھیرے ہتھ لینا پڑا کہ دکنارائے چھوڑ بھی اور انگوڑ قریب
قریب تو رنگاڑا دمنی ستر کچھ پر نکل۔ آیا ہمہ اپنے پال میں ایک دو فروٹ کی دوکان تھی اور نے
وہاں پہنچ کر فریدی کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے افولیزی بگھری پلاؤ جو دھنکنا اور اُنے محضہ انپولی
روٹ اونچا کریں۔ آہلہ ہمہ اپنے سبھ مذکور انسٹری ہیں۔

تھے تو ان روزیں بالحقین فائدہ ملائے جانے لیے تھے اور اپنے اپنے انتہائی نجاتیں
کرنے کے لئے وہ بیکار اور بیکار کو لٹڑتے ہیں۔ اسے الیہ خداوت سائیں اسی طبقاً ہے۔
میرے پاس یہی تربیتی بوجی بات ہے۔ اسے اپنے اپنے پولیس اُن انسان سے برگشہ ہوا۔ مگر انہیں اُنے تو منع نہ ہے کہ وہ
آج کل کل پڑھنا اور اُنم سے بہت زیادہ ممتاز ہو جائے گیں۔ ایسا ہی یہ لامبے دانے کی زندگی
کے لئے اور ”ستہ نہیں..... تمہیں کیسے معلوم ہو۔“

پہلے یہاں ... میں یہ ایک سٹوپر ہے۔
ایک دن گفتگو ہوئی تھی۔
”کیا وہ تمہیں جانتے ہیں سچے پاٹاں کا نام؟“
”یہ اچھی طرح اسیا ہے، اس نام کی وجہ سے اس کا نام اسی نام ہے۔
میکسی بردارڈ کے بندگی کے سامنے رک گئی۔ حبیب نا توں میں الجھا رہا تھا۔ اس نامے کوئی
بے احتجاج بیٹھا کر نہ کامو قیادت مل سکا۔

دوسری تجویز پیش کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔
”اوہو! تم چلو تو...!“ وہ حمید کو پھاٹک میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ ”میں دویڈی ہی نہیں کھوں گی کہ
سار جنث یہاں آتے ہوئے اکبیوں پیچکا رہتے تھے۔“
ن لفڑی طبوغا و کرکہ جیسا کہ بروپھالا پلکن کم از کم اسے اتنی تقویت اٹھوڑا صورت تھی کہ آج بھٹکی سے
اس کے جیب میں ریو اوز پڑا ہوا اچھا لادا۔ ... لادا... لادا... لادا... لادا... لادا

لے لیا۔ اسی میں انہیں اپنے اٹھائیں ہے۔ اسی کے پاس میں ہدنے والے بھائیوں کے ساتھ میں اور کم سختوں کے ساتھ برا آئندگی کی لمحت بھی نہیں ملائیں۔ تیر کو رکھ دیا تو اسی کی تاریخ کے لئے تباہی کا کام کر دیا۔ اسی کا ایک بڑا خوبصورت نتیجہ ہے۔

ہی میں ہے۔ ”
نے یہ ”میں تو یا سلاکی جلوش“ ڈھنیدھنے کے لہلایات لفڑتا کے نہیں اسے الما جو یہ تھا“
”اوہ نہ اس کی ضرورت نہیں راستے صاف ہے۔“ وہ اخٹا گھٹنی ہوئی یوں لکھتا ہے
”کھڑ رہتی براں کی رفتار تینی تھیں پورے مکولیں تینیں کروائیں کیک جید کی چھٹی تھیں جاگت پوچی۔ اُسے
بڑی شدت سے کسی خطرے کا احساس ہوا پہنچا دیں کام کا تھا جب بیج کو بٹولی تھی جب تھا کہ سرکے پچھے

نے پلٹ کر شکار کی طرف دیکھا۔
”فکر نہ کرو.... آدھ گھنٹے سے پیشتر ہوش میں نہیں آئے گا۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور
کرے کی روشنی گل کر دی۔ پھر وہ ایک تاریک راہداری سے گذر رہے تھے۔
آگے چل کر داہنی طرف کے ایک کمرے میں انہیں روشنی دکھائی دی۔ کھڑکی کے قریب
پہنچ کر وہ رک گئے۔ شیشوں کے ذریعے وہ اندر دیکھ سکتے تھے۔

سر جنت حمید ایک آرام کری پر پڑا اپنے سامنے کھڑے ہوئے چار آدمیوں کو گھور رہا تھا۔
اس کے قریب ہی برناڑ کی لڑکی روزا ایک کری پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان چاروں آدمیوں میں
برناڑ بھی تھا۔

”تم نہیں بتاؤ گے۔“ برناڑ حمید سے کہہ رہا تھا۔

”اپنی لڑکی سے میری شادی کر دینے کا وعدہ کرو تو بتا دوں۔“ حمید نہایت سنجیدگی سے بولا۔
”بکواس بند کرو۔“ برناڑ گر جل پھر اپنی لڑکی سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”روز جاؤ تم آرام کرو۔“
قبل اس کے کہ وہ کرسی سے اٹھتی۔ فریدی اور انور دروازے میں تھے۔ دونوں نے ریو اور
نکال لئے تھے۔

”مجھ سے پوچھو! پیارے برناڑ....!“ فریدی طفر آمیز لمحے میں بولا۔ ”شاید تم لا کال جنگل
والا لطیفہ سننا چاہتے ہو۔“

چاروں بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں گھوڑا رہے تھے۔

”لیکن اس سے پہلے میں اس بن ماں کی کہانی سننا پسند کروں گا۔“ فریدی نے پھر کہا۔
”اوہو! کیا آپ واقعی بن ماں کو نہیں جانتے۔“ حمید خس کر بولا۔ ”وہ کمی برناڑ کا داماد ہے۔
اور یونیورسٹی میں اقتصادیات کا درس دیتا ہے۔“

”آپ تو بولئے ہی مت۔“ فریدی چھکر بولا۔ ”آپ کی عشق بازی کسی دن آپ کو جہنم میں
پہنچا دے گی۔“

”فریدی بکواس بند کرو۔“ برناڑ بگڑ گیا۔ ”تمہارے استھن نے زبردستی میرے مکان
میں گھس کر میری لڑکی پر حملہ کیا تھا۔“

”ضرور کیا ہو گا.... لیکن تم اس سے پوچھنا کیا چاہتے ہو۔“

فون کر کے وہ پھر برناڑ کے بیٹکے کے سامنے آگیا۔ اب بھی عمارت تاریک پڑی تھی۔ اس
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بالکل خالی ہو۔ پائیں باغ میں بھی کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔
پندرہ منٹ بعد فریدی بھی پہنچ گیا شاید وہ اپنی کار بڑی تیز رفتاری سے لا یا تھا۔

”حالات بد ستور ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جتنی دیر میں فون کرتا رہا.... اس دوران میں اگر کوئی تبدیلی ہوئی ہو تو اس سے واقف نہیں۔“

”ریو اور ہے تمہارے پاس۔“

”میرے پاس کہاں سے آیا ریو اور۔“

”یہ لو....!“ فریدی نے جیب سے ایک ریو اور نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”او....!“
اس نے آگے بڑھ کر پھاٹک کھولا چکھے کھرا ہو کر آہٹ لیتا رہ۔ پھر آگے بڑھا۔
پوری نیکوں میں آئے لیکن یہاں بھی کوئی آواز سنائی نہ دی۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے تیوں
دروازے بے آزمائے لیکن ان میں سے کسی نے بھی جنمیں بھی نہ کی۔
آخر اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر گھنٹی ٹلاش کی اور اس کے بیٹن پر انگو ٹھاکر کھ دیا۔

اندر کسی دور افراہ مقام پر گھنٹی بجھنے لگی۔

کچھ دیر بعد اندر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کسی نے کمرے میں روشنی کر دی۔ دروازہ
کھلا۔ ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ جو ظاہری حالت سے نوکر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے ان دونوں کو گھور کر پوچھا۔

”برناڑ سے ملتا ہے۔“ فریدی بولا۔

”برناڑ.... کون برناڑ.... یہاں کوئی برناڑ نہیں رہتا۔ کیا آپ نے پھاٹک پر نیم پلیٹ
نہیں دیکھی۔“

”نہیں! لیکن جانتا ہوں کہ کمی برناڑ نہیں رہتا ہے۔“

”رہتا ہو گا.... اب نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر جیسے ہی اس نے پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔
فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی اور انور نے منہ دبادیا۔

دوسرے لمحے میں وہ بے حس و حرکت اس کے قدموں میں ڈھیر تھا۔ وہ آگے بڑھے انور

”چٹ....!“ ایک بہلی سی آواز کرے میں گو جھی اور انہیں ہرگز فریبی اور انور نے روزا کو دیوار کی طرف ہکتے نہیں دیکھا تھا۔ آن لائیٹ میں شمعیں شمعیں، آ... گلے تھے۔ دعستان کے ہاتھوں سے روپ اور بکن گئے۔ شاید وہ حاربوں بیک وقت ان پر ٹوٹ ڈھونے تھے۔ دونوں ان پر کوئی کی بارش کر رہے تھے اور ائمہ اسما حسوس ہو رہا تھا جیسے وہ حاربوں مدافعتی جدوجہد کر رہے ہوں۔ شاید اس طرح یہ دکل جانے کی کوشش میں تھے۔

دکھ کر بیسے درے پارن و نینے لگا تھا لیکن مڑک میں جبکش تک شہ ہوئی۔ البتہ اس کا بخوبی بھائی پر اپنے پار کر رکھ دیا۔ اس کی رفتار پر تندرنگ کم ہوتی تھی اور پھر
چلار پر آئیں والی کار ایکٹ بڑی ساہ روگک کی شیماق بیکن ہی تھی۔ اس کی رفتار پر تندرنگ کم ہوتی تھی اور پھر
دہ مڑک سے شاید یا نجی یا چی گیوں کے فاصلے پر رکب کی تھی۔ دریا بورنے کی کوشک کیا لیکن مڑک بے کوئی
بواب نہ ملا آجودہ کارے ہے اتھر کی آنکھیں بھولے ہیں اس کے لئے جس کے لئے اس کے لئے
دھنعتارک کی دڑا بکور کی بیٹت سے ایک بھی بچھت جھیز اور اسات فٹھ اونچاں ہائیں۔
اس نے اپنے منہ سے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی اور مڑک کے پچھلے حصے سے دھادھم کی تھیں
اس مڑک پر کو د آئے۔ کار کاڑا سیور تو پہلے ہی چاروں گانے چت گر چکا تھا لیکن کار کے اندر
یتھے ہونے کی آدمی نے مارچ کی روشنی یا ہر ذات پر پھر کا وہ میں کئی چیزوں گو ہیں۔
جب ریپو الور ای ریپو الور نے اپنے کھنے چھ کر کیا۔ آواز خوفزدہ ہی تھی۔ پھر دوسرے ہی
لئے میں کار کے اندر ہنے والے فائر ہونے شروع ہو گئے۔
لڑا بکور کی بیٹت سے اتر ابواں کیں گولیوں کی رواجہ کر کے برادر کار کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔
کار میں تین آدمی تھے اُن میں سے ایک اچھل کر ریپو الور کی سمت پر بیٹھ گئا۔ لیکن اسکی وہ
اسے اس تاریث بھی تھی کہ یا تھا کہ دو گنجان بالوں والے خت یا تھا اس کی گروپ پر میرے ایڈیٹر
اسے بڑی بے دردی سے کار سے باہر بھیج کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔ انہوں نے فائر اسے کار اب بھی
ہو رہے تھے اور بقیہ بن یا نسوان نے کار کو جا بولوں طرف سے ہٹ لیا تھا۔ اُن میں سے کئی ریپو الور کی
گولیوں کا نشانہ بن کر زمین پر چڑے چھپتے تھے۔ بھیجی رہے تھے ان کی چیزوں سے دوسرے بن یا نسوان کا
جو شد خروش بڑھ گیا تھا اور وہ چاروں طرف ہے کار میں ٹوٹے ہوئے تھے۔ کالا میں بیٹھے ہوئے
دونوں آدمی خوفزدہ ضرور تھے لیکن انہوں نے اپنے اوسان خط انہیں ہونے دئے تھے۔ وہ
خطرناک یا تھک کار کی پھٹلی سیٹ پر بڑھے پھر فائر ہوا۔ گولی ایک بن یا نس کے سینے پر پڑی جو کاز کے
اندر باتھ ڈال رہا تھا وہ اپنی چکر سے ایک نر تھا جسے اچل کر لڑکہ یا لیکن زمین پر بیٹھ کر کار سے
پھر فائر ہوا۔ اس پار کوئی ایس کے دانے شانے سے نکل نہیں۔
اس نے ایک بھائی خیز ماری اور پھر کار کی طرف بچھا۔ دوسرے تھے میں اس کے لئے ایک آدمی
کو کار سے باہر بھیج کر مڑک کے کنارے اچھا دیا۔ دوسرا آدمی اب بھی انہیں سے فائر کر رہا تھا۔
ہوائی اڈہ قریب ہی تھا۔ شور کے ساتھ چاروں کی آوازیں بھی وہاں تک پہنچیں اور بہت

جلد اسٹ میں ایک دوسرے پر دانت پیں کر الگ ہو گے۔

داہمی سست کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ فریدی اس طرف جھپٹا۔۔۔ پھر انہوں نے سارا مکان چھان مارا لیکن کہیں بھی کسی آدمی کا سراغ نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ وہ بھی نہ ملا جسے وہ بیہوش کر کے بیر ونی کرے میں ڈال آئے تھے۔

”سُو....!“ فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کیا۔ ”اب ہمیں چپ چاپ یہاں سے چل دینا چاہئے۔ برناڑ پہلے ہی الزام لگا چکا ہے کہ حمید زبردستی اس کے گھر میں گھس آیا تھا۔“

”اس کے الزام لگانے سے کیا ہوتا ہے۔“ حمید بولا۔

”شاید تم یہ بھول چکے ہو کہ ہمارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔“ فریدی طنز آمیز لمحہ میں بولا۔

وہ باہر نکل آئے۔ فریدی نے اپنی کار برناڑ کے بنگلے سے کافی فاصلے پر کھڑی کی تھی انور نے اپنی موڑ سائکل اشارت کرنی چاہی لیکن وہ اشارت نہ ہوئی۔

”دراثا رج تودیجے گا۔“ انور نے فریدی سے کہا۔

”احمق ہوئے ہو۔“ فریدی بولا۔ ”اسے دھکیل کر میری کار تک لے چلو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں زیادہ دیر تک روکے رکھنے کے لئے اُسے بگاڑ گئے ہوں۔“

انور موڑ سائکل کو دھکیل کر کیدی تک لا لیا۔ پھر وہ کسی طرح اٹھا کر اس کی اٹپنی میں ٹھوٹ دی گئی۔

”مجھے یقین ہے۔“ فریدی کیدی اشارث کرتا ہوا بولا۔ ”برناڑ پولیس کو اس کی اطلاع ضرور دے گا اور اگر انہیں رپورٹ کرتا تو یہ سمجھ لو کہ وہ ہمیشہ کے لئے روپوشن ہو گیا۔ دوسری صورت میں نا ممکن نظر آتی ہے اگر واقعی اس کا تعلق اسی گروہ سے ہے تو وہ ہرگز روپوشن نہ ہو گا۔“

”سو فیصدی....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”وہ اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ سمجھ سے لڑکاں بھگل والے اسٹنٹ کے متعلق پوچھ رہا تھا۔“

”کیا پوچھ رہا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”تھی کہ تم لوگوں نے بن ماں کے سلسلے میں لڑکاں جگل کا نام کیوں لیا۔“

”ہوں! اتب تو تم بڑے خوش قسمت تھے کہ انور کی نظر تم پر پُر گئی ورنہ تم اس وقت دوسری

سے لوگ اسی طرف چل پڑے۔ انہیں دور سے بڑے بڑے تاریک سائے دکھائی دے رہے تھے اور کبھی کبھی ریو اور کے شغلوں کی چک بھی نظر آتی تھی شور کچھ عجیب قسم کا تھا۔ ایسا شور غالباً انہوں نے کبھی نہیں سناتا۔ اسی شور میں انہیں کبھی کبھی کسی آدمی کی چیخیں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھتے رہے ان کے ساتھ مسلح عنافلوں کی ایک ٹولی بھی تھی۔

اوھر اُس بن ماں نے آخری آدمی کو بھی کھینچ کر سڑک پر پڑھ دیا۔۔۔ اس کے بعد اس نے کار سے کوئی وزنی چیز اٹھائی اور جھپٹتا ہوا ترک کے پاس آیا۔۔۔ دوسرے لمحے میں ترک بڑی تیزی سے کچھ راستے پر مژرا تھا۔

ہوائی اڈہ کے عملہ نے نار چیں روشن کر لی تھیں اور وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے انہوں نے دور سے دیکھا کہ عجیب الحلق تھا جانور ایک سیاہ رنگ کی کار پر چاروں طرف سے ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ فائز بند ہو گئے تھے۔ پہلے تو وہ کچھ خوفزدہ ہو گئے پھر مسلح عنافلوں نے را تکل کی باڑھ ماری۔ تین درندے چیختے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ ایک جو باقی تھا رہا تھا جھٹا ہوا روشنیوں کی طرف جھپٹا۔ دوسری باڑھ ماری گئی۔۔۔ اور وہ بھی لڑکھڑا تاہو اگرا۔

گیارہ ایسے بن ماںوں کی لاشیں ان کے سامنے تھیں جن میں سے ایک کی تصویر وہ آج ہی دوپھر کو اشارکے مخصوصی میں دیکھ چکے تھے۔

پھر انہوں نے چارز ٹھی آدمیوں کو زمین سے اٹھایا جو بیہوش تھے۔

”ارے.... یہ تو.... سفارت خانے کے لوگ ہیں۔“ کسی نے چیخ کر کہا۔

”کون... یو گوسلاوی سفیر کے اٹاٹی۔“ کوئی دوسرے بولا۔

✿

فریدی دروازے پر جم گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی نکل کر جا سکے لیکن چند لمحوں کے بعد اسے جرت ہونے لگی کیونکہ دروازے کی طرف کوئی بھی نہیں بڑھ رہا تھا بلکہ دھینگا مشتی کی آوازیں برابر جاری تھیں۔ اس نے سوچا کہ شاید حمید بھی شریک ہو گیا اور دونوں نے مل کر انہیں الجھایا ہے۔

فریدی آہستہ آہستہ ہکلتا ہوا سوچ یورڈ کی طرف بڑھا اور روشنی کر دی۔ انور اور حمید آپس میں گھٹھے ہوئے تھے اور برناڑ ساتھیوں سمیت غائب تھا۔ وہ دونوں

نیوں وہ نریں اعلیٰ ایسے مگذر برا تھاں کا تیضاں لئی تھا اپنے انشیاں کا کلئی پہلوں نظر انہوں نے ہوئے
پانکھے کر گئے تھے کروہ جیسا نہ لئے ضروری حملائیں تھیں کہ اپنے لگا استھن میں میں کی گئی تھیں۔
فریدی انور کو اور آمدتی اپنی اچھوڑ کر اپنے کمرے میں نوں چلا گیا تھاں چار متریں تکیہ فون پر کسی سے
اپنگو کرتی رہنے کے بعد پھر انہیں بایس دوائیں آگئیں اور اسیاتھیں ایسا ہوا۔
دی اسی کھلائیں ہنستیں اس نے انور کو نخاطب کیا۔ بہم اس نے رپورٹ کیوں کیا تھے اسکی دلیل کافون
چلا اس نے وہی کہتا کہ جو میں تھوڑی بڑی قلب کی کھلڑی تھا میر جیزے اس کی لڑکی تھے
میرمانہ حملہ کیا اپنے اپنے دوں آجیا اور ان شنیز افیڈ کے سر پر گلدن کھینچ مارا۔ اس نے ہمیں تھک دے
دا۔ اور یہہ دسری ای پر جڑک پہنچے۔ انور باری باری جلے۔ لے
برناڑ جانتا ہے کہ میر ان خصوصیں لجاجات نامہ نہیں ہو چکا تھے لیکن انہوں نے پوری پوری نہیں
بیہم دنوں کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ بھی اس کی ایک طالع لئے تھے۔ میر جس کا طے گا۔

بـلـ لـ اـ يـوـ رـ فـ يـ دـ يـ يـ كـ هـ رـ تـ يـ پـ مـ کـ نـ مـ نـ اـ کـ کـ آـ خـ اـ دـ کـ یـ کـ اـ بـ اـ خـ لـ اـ آـ نـ اـ بـ مـ یـ یـ هـ اـ نـ یـ تـ اـ بـ اـ لـ

”جـ لـ تـ اـ سـ اـ مـ لـ اـ لـ اـ جـ اـ بـ اـ لـ اـ لـ اـ جـ اـ بـ اـ لـ اـ لـ“

”لـ اـ مـ اـ نـ یـ“ ”جـ لـ تـ اـ سـ اـ مـ لـ اـ لـ اـ جـ اـ بـ اـ لـ اـ لـ اـ جـ اـ بـ اـ لـ اـ لـ اـ جـ اـ بـ اـ لـ اـ لـ“

”!...نـ کـ لـ نـ اـ ...لـ عـ“

۶۷۰ فہریں اسرا رسکی بھیں، مگر۔ اخبارات نے بھیل بڑاٹی والے تین مانقوں کو کوہ جھلے کا حال بالشروع شائع کیا تھا۔ یو گو سلاوی سفیر کا اتنا شی چند اہم کاغذات اور لکڑا اپنے ملک اٹھک جھنپسٹ کے لئے ہوا تو افسوس کی طرف بچا رہا تھا کہ راستے میں اپنے پتھر بنانے والوں نے گھینولیا۔ اتنا شی اور اُن کے دو ساتھی ڈرائیور سمیت اپنی مدافعت کرتے رہے۔ انہوں نے اُن میں سب سے کم تین ماہیں مار دیئیں۔ کوئی نہ اُن نکالے ہو شد، اُن کا عذالت کا پھری مھیلہ محفوظ رہا۔ مگر لیکن اُسی جزو و جہد کے حوالے آن میں اپنے دوسرے دیس کے اعلیٰ رانیے ہو شد تو خداوند کھو دیا۔ بادوں پھر ہوشی میں آجئے کہ بعد ازاں معلوم ہوا کہ تمہارا جانباز ہے۔ اخبارات کی اطاعت کے مقابلہ لایا۔ اسے پہلے پر نہیں تکاہا تھا کہ اُنہیں کامیابی نہیں ملے۔ ایک بن مالی کو ایک ٹرک ڈرائیور کرتے دیکھ کر اس کی اخلاق پرانی نئی خالیے میں دیا گئی۔ اس کے بعد متعدد جگہوں اسے اپنے مشین میو صوول ہونے لگا۔ پولیس کی بھی پفرولی کارزیں اس رُک کی ہو گئیں۔ میں نکل گئی۔ تھیں دیگر مارے ہے۔ الگارہ بننا شروع کیا گھوں کا بھی تئیں کہا کیا تھا جن

دنیا میں ہوتے۔ برناڑ اس واقعے کے بعد تمہیں زندہ تاریخ پر نہیں تھی، بلکہ اسی ایجاد کا
نہیں۔ ”مکمل خوشی نہیں تھی لیکن جیسا ہوئے پہلے کہ بولاں۔“ کھوپڑی کا کچھلا جھنڈا بیٹا اگر کیا ہے لیکن اس
کے بعد اسی کے تغیری پوچھ کر رای دیجیاں دھر لوتی۔ لے کر اسی لام، آنکھیں لام کی
توس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے آس کی کوئی لڑکی بھی ان سے ملی ہوئی ہے اور تغیری کی بولا
لے کر تمسیزیاں خیال پہنچ کر ہے۔ ”جیلانے کی کتاب“ تمسیزیں میں اسے تعارف کرنے کے نوئے افس کا پورا
نام روز اپنے تاریخ میں ہے اس وقت لفظ بارڈ پر غیر معمولی کیا گیا۔ جب پورے
”غور کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی بلکہ انور چیختے ہو جائے لجے میں بولا۔“ ملکم بولا۔ مکمل
گوئی تھی کہ کوئی نام نہ ہو جلبکہ بھی خود لذتیں تھیں تھیں۔“ ملکم ادا کر کر رامیہ کیلئے

”میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔“ حمید بگڑ گیا۔

نے، ”بھیجیا سے بات کر پئی تھیں لیکن تم نہیں تھے“، لامان بیٹھا ہے۔ آنکھوں
”فضول باشیں کسی دوسرے وقت لئے اٹھا رکھوں“ فرمایا تھا۔ مغل اخراجی کی تھیں
میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم اس وقت چاپاچا کرنی ہوئیں میں جا گہرتوں الائچہ مہالے تھے“ ترہ
چوہت نہیں ہوتی تو پھر تشویش کی بلاتھ نہیں تھی۔ ”اے۔ الامان بیٹھا“۔ ”کھڑا ہوئے“
”کیسی تشویش میں کسی ہوٹل میں کیون شہر ہاں“۔ آنکھ دھکنے لگیں۔ مسلسل یہ ہوئیں۔
”دین“ فرمایا۔ لارڈ تھہاری نے پورا شہر کا کاموں کیا تھا۔ ”کیا لکھوڑا کیا“۔ اس پر غصے میں
تمہیں زخمی کر دیا ہے تمہارے سر کا زخم شہادت دیے گا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ذمیں دلکشی
کی خشی کیا تھا۔ ”لکھوڑا نہیں دے“۔ ”ایسا ابد تھا۔ لکھوڑا نیا لے دیا“۔ ”جن تھا۔“

ت، ”مگر یہ سبھیں کوئی شامان نہیں لے کیا ہوئیں اور الول کو شیعہ تلاہ ہوا کاراپنی صورت میں اجنب کے میرے کوک پر خون کے ذبحے بھی بینت۔“ ملائیں تھے لال ان قاتا، آج تا آنے والے کوٹ لاؤ رہے بدلنے کی اعمال میں جنہیں رہنے والے اشیعین پر چھوٹے دنیا بہان قم وہاں کے ہسپتال میں جا کر اپنے زخم کی ڈرینگ کرو۔ اس کے بعد وہ بینگپڑ تھام میں اور کائن انتظام کرنے والے تمہارے اسماں لے کر آئے گا اگر میرا مخصوص اجازت نامہ لے پھر پونچ نہ ہو یعنی تو قلن کی طبرورت د نہ پیش آتی۔ خیر تم کی سپول میں قیام کر لائیں یقیناً بیٹھنے والے بچھوٹے میں دیکھنے والی گاٹ سماں مارے جائیں گے۔ حیدر کو اشیعین چھوٹے ہوئے کے تعلہ افریلی گھر کی طرف روانہ ہو گیا اتنے جلدی بھی۔ ان

”آپ کا خیال درست ہے۔“ فریدی بولا۔ ”واقعہ یوں ہے کہ برناڑ حمید کو دھوکا دے کر اپنے گھر بلوتا ہے اور زخمی کر دیتا ہے وہ اس سے یہ معلوم کرتا چاہتا تھا کہ ہم لوگوں نے بن ماں کے سلسلے میں لڑکاں جنگل کا نام کیوں لیا۔“

”کیوں....؟“ ظاہر ہے کہ تم نے اسے لڑکاں جنگل ہی میں شکار کیا تھا۔

”قلمی نہیں....“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اُس نے خود ہی غریب خانے میں قدم رنج فرمایا تھا۔“

”کیا....؟“ ڈی۔ آئی۔ جی چونکہ پڑا۔

”جی ہاں.... اس کا شکار میں نے اپنی کپاڑتھی میں کیا تھا۔“

اس کے بعد فریدی نے پورا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔ ”اب وقت آگیا ہے کہ میں آپ کو سب کچھ بتاؤں۔ آصف اور سعکھ بچارے تو بھک مارتے ہی رہ جائیں گے۔ مجھے وہ چیز مل گئی ہے جس کی تلاش عرفانی کے قاتکوں کو تھی۔“

”اوہ.... تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

فریدی اُسے اپنی تجربہ گاہ میں لایا۔ اور پھر اُس نے عرفانی کی ڈائری اور تعلیمی تاش کے دونوں پتے نکالے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جب وہ دونوں تجربہ گاہ سے نکل رہے تھے ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

”فریدی تھی کہتا ہوں اگر تم جاگتے نہ رہ تو ہم سب نالائق بنا دیے جائیں۔ بھی مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اگر یہ ڈائری اور تاش کے پتے مجھے لئے تو میں انہیں روی کی ٹوکری میں ڈال کر مطمئن ہو جاتا۔ خیر ہاں تم نے حمید کو کیوں پچھا دیا۔“

”اگر وہ ایک گھنٹے کے لئے بھی حوالات میں گیا تو میرے لئے مر جانے کا مقام ہو گا۔ مصیبت یہ ہے کہ اس کے سر پر زخم بھی موجود ہے اور دوسرا میں صیبیت یہ کہ ڈی۔ ایس۔ پی ٹی عرصہ سے اس تک میں ہے کہ اُسے ہمارے خلاف مواد میں جائے اور بنیادی صیبیت یہ ہے کہ میرا شخصی اجازات نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔“

”اس کی فکر نہ کرو۔ آئی جی صاحب خود بھی پشیمان ہیں۔ میں کو تو اُن کو ایک حکم نامہ بھیجیں یا ہوں کہ سرجنت حمید کا کیس ٹھکرے کو رینگر کر دیا جائے۔ براؤ راست کوئی کارروائی نہ ہو.... اور کیوں نہ برناڑ کو پکڑتھی لیا جائے۔“

میں سے چار پر کسی قسم کے زخم نہیں پائے گئے۔ بقیہ سات کے جسموں پر کہیں گولی ضرور لگی تھی۔ چار بن ماںوں کی موت کے اسباب تک نہیں معلوم ہو سکے۔ اخبارات نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ بن ماں ذیں ہی تھے جیسا کہ گذشتہ دن انسپکٹر فریدی نے لڑکاں جنگل میں شکار کیا تھا۔

فریدی کو اس حیرت انگیز واقع کی اطلاع پہنچل رات ہی کو مل گئی تھی جب وہ حمید اور روزا برناڑ والی خبر کی اشاعت رکونے کے لئے اخبارات کے دفتروں کے پکڑ لگاتا پھر رہا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ کسی اخبار میں بھی حمید کے خلاف لگائے گئے برناڑ کے الزامات کے متعلق سچھے نہیں آیا تھا اور یہ سب سچھے فریدی کے ذاتی اثر و رسوخ کی بناء پر ہوا تھا۔

صحیح صحیح ملکہ سراغ رسانی کا ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کی کوئی ٹھیک گیا۔ رات بھی اس نے بہ نہیں کئی چکر لگائے تھے لیکن فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی۔

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ ”اوپر والے ہمارے معاملات میں تالگ اڑاتے ہیں اور پھر جب کوئی اس قسم کی واردات ہو جاتی ہے تو بھی ہم ہی سے جواب طلب کیا جاتا ہے... پھر کہا جاتا ہے کہ ہمارا ملکہ سوتا رہتا ہے۔“

”پھر جملہ بتائیے ان آسمانی بیاؤں کو ہمارا ملکہ اس طرح روک سکتا ہے۔“ فریدی بولا۔

”بھلا... بن ماں...!“

”لا جوں والا قوہ.... تم بھی ویسی ہی باتیں کرنے لگے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی جھنگلا گیا۔ ”تم کوچھ چھپا رہے ہو۔ کیا کل تم نے ویسا ہی ایک بن ماں نہیں شکار کیا تھا۔“

”کیا تو تھا.... لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے بن ماں یوگو سلاوی سفارتمن سے بھی کچھ تعلق رکھ سکتے ہیں۔“

”مجھے بتاؤ۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جوزف اور اس کی بیوی کی لاشوں کے قریب انہیں بن ماںوں کے بال پائے گئے تھے۔ پھر ان دونوں کے بھوتوں نے انگریزی سفارت خانے سے کچھ اہم کاغذات اٹائے.... اور اب خود ان بن ماںوں نے یوگو سلاوی سفارت خانے کی ڈاک پر ڈاکر ڈالا۔“

”آپ نے حمید کی بابت کچھ سنائے؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”ٹائے ہے لیکن اس بناء پر اُسے کوئی اہمیت نہیں دی کہ روپورٹ برناڑ نے لکھوائی ہے۔“

۔۔۔، ڈیں اپنے معاشرے نہیں سمجھتا بلکہ تھوڑی میں ذہن ایک اپنا ہے جو اس وقت جانتے سائے رہنے والے دشائیں ام اسی کے درستیہ پہاں تک ملکی یہیں جہاں نہیں وہ ہیں مانہن بزرگ جو لئے ہیں۔۔۔“ بن مانوں کا مقابلہ بھی عجیب ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ بھی اتنے کہنے تو سمجھی رہاتے ہیں تو کوئی سے مرے ہیں اور چارکی بسوٹ پر اسرا رہنے کو نکل دیں گے ایسا بھی نہیں اور ایک ٹیکے مختار

اندازی کا بیان ہے کہ ان پر گولیوں کا اثر ہی نہیں ہوا اور غالباً وہی بُرکت یعنی تو اسی کا کہرا ہے۔

”اور وہی ایک بن مانس نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی نے پوچھا کہ اس کی کیا تھا؟“ ڈی۔ یا۔“

”کیوں... کیا مطلب۔۔۔“ ڈی۔ یا۔ پوچھا دیا۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”پ آئیں الجھکیوہ گولیوں سے نہیں اڑا کے جھیلائے گیا۔“ ڈی۔ یا۔“

”جن ان دونوں کے متعلق کیا کہو گے جو گولیوں کے تیری ہی پڑ گئے۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”لے گئے ہیں۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”فریدی کچھ نہ ہوا۔

”ایسا کچھ بڑا آتلا ہے۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”سڑھتی ہے جیسا کچھ بڑا ہوئی۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”کیونکہ بردار اب بھی بے خوف و خطر آزادا ہے پھر رہا تھا۔ وہ بڑی شدت سے اندھری اندر کی اندھری جھلکیوں میں کامیاب ہے۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”لیے اسی کی جعلیتیں لیں۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”کیونکہ اس کی طرف کا یہ شوک تھا اور اسے حق طور پر شفیعی ہے۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”لے پکاں دیا کیا میں۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”ستہ۔۔۔“ وہ دلیل بھرپوری ہے۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”پر موجود نہیں تھا۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”والوں کو اطلاق دیجیے۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”جید ناکام واپس لوتا۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”کیجی میکاپ میں قسمیں اتنا تھیں کی جائے تھیں ملکیں مغلیات چوکر بہت زیادہ الجھجھے تھے اس لئے اس

”وہی بخاشیں اسکھاں کو فریدی کی ادائی۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

”ناکامی کا ازالہ اسی کے سر مندرجہ ورے۔۔۔“ ڈی۔ یا۔“

فریدی اس کی لا علی میں کئی گھنٹے سے گیراج میں پچھے ٹھوک پیٹ رہا تھا۔ جید نے اسے پہلے گھر میں تلاش کیا۔ پھر سوچا ممکن ہے باہر گیا ہو۔ وہ اسے دیکھتا ہوا گیراج تک گیا جس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولا۔ وہ پسینے میں نہیا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میلے تھے۔ کپڑوں پر بھی ایک آدھ جگہ میل کے تاریک دبے نظر آرہے تھے۔

”تمہاری ضرورت بھی تھی۔“ فریدی نے اسے اندر کھپتے ہوئے کہا۔

”اڑے اڑے... میرے کپڑے۔“ ”جید جھنگلا کر بولا۔“

”صرف کفن نہ سیلا ہو ناچاہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بقیہ سب چلا ہے۔“

فریدی کی جیپ کار پر نظر پڑتے ہی جید کامنہ حریت سے کھل گیا۔ جیپ کار کی کچھی نشت کے دونوں اطراف میں مشین گنیں فٹ تھیں اور اب فریدی ان کے دھانوں کو چھوڑ کر بقیہ ہے بڑے بڑے گدوں کے نیچے چھپا رہا تھا۔

”یہ کیا صیبت ہے؟“

”تمہارے دروس کا علاج! لڑکاں جگل میں خوبصورت لا کیاں نہیں ملتیں۔“

”لڑکاں جگل۔“ ”جید نہ اسمنہ بنا کر بولا۔“ ”کیوں وقت بر باد کر رہے ہیں۔۔۔ یہ تاش کے پتے...“

”کیاس کی چوٹ بھول گئے۔۔۔ بھلا یہ کس سلسلے میں آئی ہے۔“

”جید کچھ نہ بولا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف پہلوؤں سے جیپ کار کا جائزہ لیتا رہا پھر وہ دونوں گیراج سے باہر نکل آئے۔

”آج تو موسم بھی براو لکش ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خاصی تفریح رہے گی۔“

”تو کیا اسی جیپ پر چلنے کا رادا ہے۔۔۔ آخر میشین گن کیوں؟“

”بٹخوں کا شکار کریں گے۔“ فریدی خٹک لجھ میں بولا۔

”اللہ ہماری مغفرت فرم۔“ جید نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ”ہم بہت جلد تیری ہی طرف آئے والے ہیں۔“

ایک گھنٹے بعد ان کی جیپ شہر کی سسماں را ہوں سے گزرتی ہوئی مصافتات کی طرف جاری گئی۔ فریدی نے دن بھر کی محنت سے اسے ایک اچھی خاصی اسلو بند گاڑی بنا لیا تھا۔ اور اس کی بہ

موضوع بدل دیا۔

”جیر اللہ...!“ فریدی مختدی سانپ لے کر بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرائے میں اس کا کیاروں ہے۔“

”وہ کسی پر اسرار قوت کا مالک ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”محضے آج تک اس کے علاقے اور کسی آدمی سے خوف نہیں محسوس ہوا۔“

”محضے وہ ملاقات اچھی طرح یاد ہے۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن مجھ پر اس کی شخصیت کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔“

”آپ خود ہی اپنا پرد پیگندا کرتے ہیں۔“ حمید نے جل کر کہا۔
”غلط نہیں کرتا۔“

”آدمی کو کبھی کبھی کسر تقسی سے بھی کام لینا چاہئے۔“
”بنشہ بھی پینا چاہئے۔“ فریدی نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”میری کسر تقسی سے بھی یاد و سروں کو کیا فائدہ ملتی سکتا ہے۔ سو اے اس کے کہ میری کسر تقسی کے متمنی لوگوں کے غرور کی تھوڑی سی تکیں ہو جائے۔“

”آپ غرور ہو گئے ہیں۔“

”وہی دو لکھ والی بات۔“ فریدی نے خنک لجھے میں کہا۔ ”جب میرے غرور سے تمہارے غرور کو ٹھیں لگتی ہے تو تم بھی غرور کہہ دیتے ہو۔“

”میں تو قی الحال آپ کو لاچار اور مجبور بکھتا ہوں۔“ حمید نے پڑھانے والے انداز میں قہقهہ لگایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ جبکہ کار شہر سے بالی کیپ جانے والی سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ آسان ابر آکوڈ ہونے کی وجہ سے تاریکی بڑھ گئی تھی۔ حمید بہت کچھ بکنا چاہتا تھا لیکن اس نے اندازہ لگایا تھا کہ فریدی زیادہ گھنٹوں کے موڈیں نہیں ہے۔

لڑکاں جنگل کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مختلف ٹھرم کی آوازیں جیپ کے شور کے باوجود بھی ان کے کافلوں تک پہنچ رہی تھیں۔

”فریدی صاحب بد۔“ حمید بولا۔ ”مگر وہ ہوں گے بھی تو جنگل کے کسی دشوار گزار حصے میں۔“

میں چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سرچ لا سکیں فٹ کر دی تھیں۔ جو قی الحال روشن نہیں تھیں۔

”آپ جنگل میں تو کھس نہ سکیں گے۔“ حمید بولا۔

”کیوں کیا تم اس دس میل بھی سڑک سے کبھی نہیں گزرے جو بالی کیپ سے تار جام کی طرف گئی ہے۔“

”اوہ....ٹھیک ہے جس پر وہ کو تار والی فیکٹری ہے۔“

”ٹھیک وہی....بس آج ہم اس سڑک کی پیاٹش کریں گے اگر کہیں تمہیں بٹھیں دکھائی دیں تو مشین گنوں کے سوچ آن کر دینا۔“

”اوہ....کیا آپ کو موقع ہے کہ وہ بن ماں وہیں رہتے ہوں گے۔“

”پڑھ نہیں....یہ تو میں نے اختیار۔“

”درایہ تو سوچنے۔“ حمید نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”اگر اس جنگل میں ایک بھی دیبا خوفناک بن ماں ہو تو کم از کم کو تار فیکٹری والے ضرور ہٹھ چاٹتے۔“

”تو فرزندیہ بھی نا ممکن ہے کہ اتنی تعداد میں وہ درندے شہر ہی کے کسی حصے میں مقیم ہوں۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ بن ماں بہت زیادہ غل غپڑا چاٹتے ہیں۔ اگر وہ اس جنگل ہی کے کسی حصے میں ہوتے تو کم از کم بالی کیپ والی سڑک سے گذرنے والے یا کو تار فیکٹری کے لوگ بھی تو ان کی آواز سنتے۔“

”بھی حق پوچھو تو یہ حدائقہ ابھی تک میری سمجھ میں آیا ہی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یو گو سلاوی سفیر کے اٹاٹی کو جو واقعہ پیش آیا ہے اپنی نویعت کے اعتبار سے عجیب ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے ایک بن ماں کا شہر کی سڑکوں پر بڑک ڈرائیور کرتا ہو۔ بھی اس چاپکدستی سے کہ کہیں کوئی حادثہ نہیں ہیش آیا۔ پھر حملہ کر کے ڈاک کا تھیلا لے بجا کنا۔ آخر دوسرے بن ماں اتنے احتق کیوں تھے کہ وہ نہیں بھاگے۔“

”اور کچھ ان سے بھی زیادہ احتق تھے جو خود بخود مر گئے۔“

”سڑک ڈرائیور کرنے والا تو سو فیصدی آدمی تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور اس نے بن ماں کی کھال کے نیچے بلٹ پروف کار کے تھے۔ سبھی وجہ ہے کہ اس پر گولیوں نے اڑ نہیں کیا۔“

”آج کل آپ جیر اللہ شاستری کو بڑی طرح نظر انداز کر رہے ہیں۔“ حمید نے اتنا کہ

"مجھے کب اس سے انکار ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم تو صرف سڑک ناپنے جا رہے ہیں۔ وہ بن مانس جو ہماری کمپاؤنٹ میں گھسا تھا کیا ہمارا پتہ پوچھتا ہوا آیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اسے کوئی آدمی وہاں تک لایا ہوگا۔ اگر وہ بن مانس سڑک استعمال کرتے ہیں تب تو انہیں یقیناً سڑک سے گزرا پڑتا ہوگا۔"

"اوہ نہہ ماریے گولیاں تو شدت سے بور ہو چکا ہوں۔ ذرا فقار کم کجئے۔ پاپ لالاوں گا۔" فریدی نے رفتار کم کر دی اور حمید پاسپ سلاکانے لگا۔

آن کے سامنے بہت دور سے کی مورکی ہیڈ لا یئش نظر آری تھی۔

فریدی نے جیپ کی رفتار پھر تیز کر دی۔ سامنے سے آنے والی موڑ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ جیپ کا رکھنے اور چلائی پر آئی تھی کہ اس کی ہیڈ لا یئش کی روشنی سامنے سے آنے والی موڑ کے وڈا سکرین پر پڑی اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ ذرا سیور کی سیٹ پر وہی عجیب الحلقہ درندہ بیٹھا ہوا تھا۔

"خاموش...!" فریدی آہستہ سے بولا۔

ٹرک تیزی سے جیپ کے قریب سے نکل گیا۔ فریدی نے اپنی گاڑی روک دی اور ٹرک کر دیکھنے لگا۔ ٹرک کی پچھلی سرخ روشنی دور ہوتی جا رہی تھی۔ جب فاصلہ کافی زیادہ ہو گیا تو فریدی نے بھی جیپ اسی طرف موڑ لی۔ اس کی ہیڈ لا یئش بھجادی تھیں اور اب انہیں میں آکے جانے والے ٹرک کا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔

"کیا بھلوں کے ٹکار کا وقت قریب آگیا ہے۔" حمید آہستہ سے بربولیا۔

"ذرا صبر کرو۔"

حقیقتاً وہ لمحات حمید کے لئے بڑے سبز آزمات تھے۔ اگر اس وقت اسٹریک اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اتنے قابلے سے تعاقب کرنے کی بجائے ٹرک کے پہلو میں ہوتا اور جیپ کے ایک طرف کی مشین گن گولیاں اگلی ری ہوتی۔

اوہر فریدی سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت جیپ کی بجائے کیڈی لاک ہوتی۔ اسے خدش تھا کہ جیپ کے انجن کی آواز ٹرک والوں کو ہوشیار نہ کر دے۔ اس بات کا تو اُسے یقین تھا کہ ٹرک ذرا سیور کرنے والا درندے کے بھیں میں کوئی آدمی ہی نہ ہے۔ جیپ کا راندر میرے میں فرانٹ بھرتی رہی۔

"آخر آپ چاہئے کیا ہیں۔" حمید آتنا کر بولا۔

"یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آج ان کے ارادے کیا ہیں۔"

"اگر نکل گئے تو۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہ کسی صورت سے نہیں فتح سکتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے ان کا ٹھہر گزار ہوتا چاہئے کہ انہوں نے مجھ سے جھلک کی ناک نہیں پھونوائی۔"

"اگر آپ نے انہیں مار لیا تو ان کے مکانے کا پتہ کس طرح چلے گا۔"

"بس ایک کوئی نہ چھوڑتا ہے اُسے جو ٹرک ڈرائیور کر رہا ہے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ وہ بن مانس کی کھال میں کوئی آدمی ہے اور اس نے کھال کے نیچے بیٹ پروف لگا رکھے ہیں۔ اگر صورت حال ہیکی ہے تو وہ لا معالاق جائے گا۔"

"خبر یہ تو کوئی بات نہیں۔ مشین گن کی گولیاں ایک مخصوص فاصلے سے بلکہ پروف کے باپ کے بھی پرچے اڑا دیتی ہیں۔"

"مشین گنیں تو میرے خیال سے بالکل ہی بیکار ثابت ہوں گی۔" حمید نے کہا۔ "کیونکہ آپ نے انہیں ادھر اور ہر فرٹ کر رکھا ہے۔ اگر انہوں نے سامنے سے ہم پر حملہ کر دیا تو۔"

"ہمارے پاس دو عدد برپن گن بھی ہیں فرزند۔" فریدی نے سکون لجھ میں بولا اور حمید خاموش ہو گیا۔

اس کا ذہن پر اگندگی کا ٹھکار ہو گیا تھا۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ کہیں وہ ٹرک انہیں دھوکے میں رکھ کر کسی اور طرف نہ نکل جائے۔

اگلہ ٹرک شہر کی طرف ہڑ گیا۔

"پچھلے حصے میں بھی بن مانس ہی ہوں گے۔" حمید بولا۔

"کیش تعداد میں....!" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے دیکھا نہیں تھا۔"

"نہیں.... میں نہیں دیکھ سکا۔"

پھر خاموشی ہو گئی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔ فریدی نے شہر جانے والی ٹرک پر بھی جیپ کا کیسی کیا کر دیں۔ ٹرک یوں بھی سننان تھی اس لئے اس میں بھی کوئی خاص دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ اچانک فریدی نے محوس کیا کہ وہ ٹرک خود بھی ایسی ٹرکوں کو

نظر انداز کر رہا ہے جن پر اتنی رات گئے بھی ٹریک کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ ٹرک ایک عمارت کے سامنے رک گیا تو حید کو اپنادل کھوپڑی میں دھمکتا ہوا محسوس ہونے لگا..... یہ حیرالدشاستری کی کوئی تھی۔

فریدی نے کافی فاصلے پر اپنا جیپ کار روک دی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں برین گھسی لئے ہوئے جیپ سے اترے اور دوسری عمارتوں کی چہار دیواریوں سے گل کر رینگتے ہوئے حیرالدشاستری کوئی غمی کی طرف بڑھنے لگے۔

ٹرک سے طویل تمامت اور ہمیب سائے اترنے شروع ہو گئے تھے پھر وہ سب سلاخوں دار چاٹک پر چڑھ کر حیرالدشاستری کو غمی کے کپاڑوں میں داخل ہونے لگے۔

پھنس گئے

کچھ دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ حید کو پھر ابحص ہونے لگی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی آگے کیوں نہیں بڑھتا۔

تحوڑی دیر بعد حیرالدشاستری کو غمی سے شور بلند ہونے لگا۔ وہ ایک فائرسوں کی بھی آوازیں آئیں۔ فریدی ابھی تک وہیں جا رہا۔ ابھی تک حید یہ سمجھ رہا تھا کہ بن ماں سوں کا کچھ نہ کچھ قلع جیرالدشاستری سے ضرور ہے لیکن اب اسکی حالت میں اگلا نظریہ کو کھر قائم رہ سکتا تھا۔

شور پڑھتا گیا۔ فائرسوں کی آوازیں بھی بدستور آرہی تھیں۔ قرب و جوار کی عمارتوں کی کھڑکیوں میں رفتار فتہ روشنی نظر آنے لگی تھی۔

”تم جیپ پر واپس جاؤ۔“ فریدی بنے حید سے کہا اور حید شاید انکار نہیں کرنے والا تھا کہ فریدی پھر بولا۔

”جو میں کہوں وہ کرو.... اگر وہ ٹرک چل پڑے تو ہرگز تعاقب نہ کرنا۔ جاؤ۔“

حید نے بے چوں وچرا تھیں کی۔ حالانکہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹرک کی طرف رینگنے لگا۔

قرب و جوار کے لوگ بھی بیدار ہو کر گردوں سے نکلنے لگے تھے۔ فریدی ٹرک کے قریب

بھیج کر سیدھا ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے پچھلے حصے میں تھا۔

ٹرک پر کھڑے ہوئے لوگ پہلے تو سمجھتے ہی تھے کہ شور کہاں ہو رہا ہے۔ ان میں سے بہترے ہیرالدشاستری کے لئے آر ٹھر کی آواز بخوبی پہچانتے تھے۔ انہوں نے اس کی چیزیں سینیں اور صاف پہچائیں۔ پھر وہ چاٹک کی طرف بڑھ رہے تھے کہ انہیں اچاٹک رک جاتا پڑا۔ وہ صرف رکے بلکہ بہتوں کی چیزیں بھی کھل گئیں۔ ایک طویل اقامت بن مانس جس نے اپنے ہاتھ میں کوئی وزنی چیز لٹکا کر کھی تھی چاٹک سے نکل کر نہایت اطمینان سے ٹرک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

ٹرک چل پڑا اور کسی میں بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کسی قسم کی مراجحت کر جائے۔

حید نے ٹرک کو دیکھا لیکن کوئی اقدام نہ کر سکا۔ بعض اوقات فریدی کے اس طرح کے احکامات اُسے شدت سے کھل جاتے تھے۔ اس نے ٹرک کا تعاقب نہ کیا۔ لیکن کم از کم دہاں سے چلا جانا اُس کی مجھس طبیعت کے بر عکس تھا۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بُری طرح بے جلوں تھا کہ حیرالدشاستری کیا گزری۔ فریدی نے اُسے صرف ٹرک کا تعاقب کرنے سے منع کیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ دہاں سے چلا جائے۔ بہر حال حید نے دہاں ٹھہر جانے کا جواز پیدا کر کے جیپ اشارت کر دی اور ٹھیک اسی مجھ کے قریب آگر رکا لوگوں کی دانست میں شاید وہ بن مانس ایک ہی تھا جو ٹرک پر جا رہا تھا۔ حید اپنے ہاتھ میں برین گن لئے ہوئے جیپ سے اڑ آیا۔

دفعتا چاٹک پر پھر دو ہمیب سائے دکھائی دیئے جو بند چاٹک پر چڑھ کر باہر آنے کی کوشش کر رہے تھے اُوگ چیزیں مار کر بھاگنے لگے۔

حید کی برین گن گولیاں اگل رہی تھی۔ دونوں چیختے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ برین گن خاموش ہو گئی اور حید اُسے دوبارہ لوڑ کرنے لگا۔

بھاگتے ہوئے اُوگ ٹھہر گئے لیکن وہ دور کھڑے ہوئے تھے۔ حید ان کی طرف مڑا۔

”مجھے ایک دلیر آدمی چاہئے۔“ حید نے کہا۔

”آپ کون ہیں۔“ مجھ میں سے کسی نے پوچھا۔

”پولیس....!“

سناتا چاہا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی مجھ سے نکل کر حید کی طرف بڑھا۔

”پویں....؟“

”اب آئی ہے پویں.... کسی کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں۔ کیا ہو رہا ہے اس شہر میں؟ پویں سوری ہے۔ میں برباد ہو گیا۔“

”کیا لے گئے کچھ بتائیے بھی تو۔“ حمید جھوٹلا کر بولا۔

”میری بدھ کی مورتی.... خوس سونے کی تھی۔ دس سیر وزن....؟“
”اوہ....!“

”اس پر میں نے سیاہ پینٹ کروایا تھا تاکہ وہ حفاظہ رکھے۔“
”کوئی جانتا تھا! اُس کے متعلق۔“

”کوئی بھی نہیں.... حتیٰ کہ میرے لڑکے کو بھی اس کا علم نہیں۔“
”آپ کا لڑکا اس وقت کہاں ہے۔“

”آہ! یعنی.... میرا بھی۔“ جیر اللہ بے تحاشا چینا۔ ”یعنی بیٹے تم کہاں ہو۔“
وہ پاگلوں کی طرح اندر بھاگ گیا۔

حمید نے فوجی کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔
اندر نہیں بن مانس کی آٹھ لاشیں ملیں۔ یعنی ایک کمرے میں بیہوش پایا گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی را نقل دبی ہوئی تھی اور منہ سے خون بہرہ رہا تھا۔
جیر اللہ نے اُسے اٹھا کر ایک صوفی پر ڈال دیا۔

حمد درندوں کی لاشوں کو نٹولتا پھر رہا تھا۔ فوجی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اپاک حمید کے سامنے سے ہلکی سی آواز نکلی اور فوجی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔
حمد ایک درندے کے ٹلاویں کو نٹول رہا تھا۔ بن میں چڑے کے تھے کے ہوئے تھے۔ حمید نے تھے کھول ڈالے کھال ڈھیلی پڑ گئی اس نے اسے اپر کی طرف کھینچ کری آدمی کا پیچہ باہر نکل آیا۔
”ارے....!“ فوجی اچھل کر ایک قدم پیچے ہٹ گیا۔

”ڈر دو نہیں دوست! اس کی کھال اتارتے میں میری مدد کرو۔“ حمید بولا۔

خوڑی سی جدو جمد کے بعد وہ اس آدمی پر سے بن مانس کی کھال اتارتے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک ایسے شخص کی لاش تھی جسے ہر آدمی اچھی طرح پیچاتا تھا۔ بردار ان کے سامنے

”آپ کیا چاہتے ہیں۔“ اُس نے حمید سے پوچھا۔
”ہم اندر چلیں گے۔“ حمید بولا۔

”خطرناک ہے۔“ اُس آدمی نے کہا۔ ”میں نہتا ہوں۔“

”فکر نہ کر جائے۔“ حمید نے جیب کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اُس نے اس میں سے اپناریو الور نکلا اور برین گن اُس آدمی کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ ”خطرے کے دقت اس ٹریگر کو دباتے چلے جائے گا۔“

”میں جانتا ہوں.... فوج میں رہ چکا ہوں۔“ اُس آدمی نے کہا۔
”تب تو اور بھی اچھا ہے.... آئیے۔“

حمید آگے بڑھ کر چالک پر چڑھ گیا۔ اس کے پیچے وہ فوجی تھا۔ برآمدے میں جنپنچھے ہی انہوں نے پھر ایک فائر کی آواز سنی اور پھر ایسا معلوم ہوا جسے کوئی اندر سے بھاگتا ہوا برآمدے کی طرف آ رہا ہوا۔

دروازہ نکلا اور کوئی دھرم سے فرش پر آ رہا۔ برآمدے میں اندر ہیرا تھا۔ حمید نے تاریخ روشنی کی یہ جیر اللہ شاستری تھا۔ حمید اسے اٹھانے کے لئے بڑھتی رہا تھا کہ فوجی کے ہاتھ میں دلبی ہوئی برین گن کا رخ دروازے کی طرف مزگیسا تھی ہی دو شعلے نکلے اور ایک درندہ جو چننا ہوا جیر اللہ شاستری پر ڈھیر ہو گیا۔ اگر حمید آگے بڑھ کر جیر اللہ کو اُس کے نیچے سے کھینچنے لیتا تو شاید اُس دم توڑتے ہوئے وحشی نے اُس کے پر چھپے اڑا دیے ہوتے۔
ایک لاتھا ہی سناثا۔

سرک پر کھڑے ہوئے آدمیوں کی آوازیں آئی بند ہو گئیں تھیں۔
تحوڑی دیر بعد جیر اللہ کو ہوش آیا۔ اُس وقت حمید نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر کسی خوفزدہ نیچے کے چہرے کی سی کیفیتیں طاری تھیں اس کی آنکھوں اور چہرے کے خدوخال میں بلا ربط اور کافی ہم آہنگی تھی۔

”لے گئے۔“ وہ بچوں کی طرح چینا۔ ”میری زندگی لے گئے.... میں لٹ گیا۔“

”کیا لے گئے؟“ حمید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”تم کون ہو....؟“

”تو یہ سب بھی...!“ فوجی ہکلا کر رہ گیا۔

”دیکھتے ہیں...!... ہو سکتا ہے۔“ حید نے کہا اور پھر اس نے جیر اللہ کو آواز دی۔ وہ دوسرے کمرے میں تھا۔ آواز سنتے ہی باہر نکل آیا۔

”کسے پہچانتے ہیں آپ۔“ حید نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

”کیوں...! ارے۔“ جیر اللہ بو کھلا کر بولا۔ ”یہ تو برادر ہے...! اسے کیا ہوا؟“

”یہ بھی انہیں درندوں میں تھا...! یہ رہی اس کی کمال اور شاید آپ ہی کی گولی کا نشانہ ہے۔“

”مگر...! میں نے دھوکے میں مارا...! یہ جرم نہیں ہے...! میں نہیں جانتا تھا۔“ جیر اللہ کے لمحے میں بدحواسی تھی۔

”کیا یہ سب آدمی ہی ہیں۔ اُنکا برادر گھر کا بھیدی۔ شاید وہ مورتی کا راز جانتا تھا۔“

حید کوئی جواب دینے کے بجائے پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اندر کی ساری لاشیں دیکھیں۔ باہر کی تیوں لاشوں کا بھی جائزہ لیا۔ وہ سب بن ماں ہی تھے۔ اُن میں سے دو ایسے بھی تھے جن کے گولی نہیں گئی تھی۔ لیکن وہ بے جان تھے۔



دوسرے دن شہر کے گلی کوچوں میں فوج کے سلسلے گشت کر رہے تھے اخبارات نے بہت شور چلایا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ جیر اللہ اپنے علمی تجربے کی بناء پر ہر طبقے میں احترام کی نظر و دل سے دیکھا جاتا تھا۔ اُس کا اس بے دردی سے لٹ جانا لوگوں کی نظر و دل میں کافی اہمیت رکھتا تھا۔ اخبارات نے حکام سے پر زور اپیل کی تھی کہ اس نے اسرار دہشت انگیزی کا سد باب کرنے کے لئے کوئی مناسب قدم المحسنا جائے۔

محکمہ سراغِ رسانی کے دفتر میں آفسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ حید ابھی ابھی چچلی رات کے واقعات دہرا کر بیٹھا تھا کہ آئی۔ جی نے اس سے سوال کیا۔

”اور فریدی کہاں ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ ٹرک کے تعاقب میں تھے۔“

”اس وقت کہاں ہے۔“

”اُبھی تک داپتی نہیں ہوئی۔“

”کیا یہ تھے کہ برادر نے تم پر ناجائز دباوڑاں کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”جی ہاں...! درست ہے...! وہ مجھ سے لڑکاں جنگل کے مختلف معلوم کرنا چاہتا تھا۔“

”لڑکاں جنگل کے مختلف کیا معلوم کرنا چاہتا تھا۔“ آئی۔ جی نے جھنجلا کر کہا۔ ”جو کچھ تھیں معلوم ہے یہاں کر جاؤ۔“

”فریدی صاحب نے وہ بن ماں گھر پر ہی ٹکار کیا تھا۔“

”کیا...؟“ آئی جی کے لمحے میں حرمت تھی۔

”جی ہاں! اگر پر ہی! لیکن وہ ایک ہی تھا اور اسے ہمارے کتوں نے مگر لیا تھا۔ پھر فریدی صاحب نے اسے گولی مار دی۔ اشارا کا ضمیر اس کی خواہش کے مطابق شائع ہوا تھا اور لڑکاں جنگل کی کہانی ان کی ہی اُجھے تھی۔“

”آخر کیوں! لڑکاں جنگل کا نام کیوں لیا گیا تھا۔“ آئی جی نے بھنوں سکون کر پوچھا۔

”برندوں میں مجھ سے بھی معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے اس کا علم ہی نہیں تھا میں اسے کیا تھا۔“

”تمہیں اس کا علم نہیں۔“ آئی۔ جی نے اسے تمثیل ہفتہ روں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں...! وہ بھتیری باقی میں مجھے بھی نہیں بتاتے۔“

تم نے اس سے پہلے بھی کبھی برادر کو جیر اللہ کے مکان پر دیکھا تھا۔

”جی ہاں...! ایک بار جب تم جوزف پیٹر کے معاملے میں پوچھ چکھے کرنے لگے تھے۔“

تمہوزی دیر تک خاموش رہی پھر آئی جی نے سوال کیا۔

”تمہیں فریدی کی طرف سے کچھ ہدایات تو تھیں ہی ہوں گی۔“

”جی نہیں! وہ مجھے اپنی اسکیوں سے بن تھوڑی ہی دیر پہلے آگئے کرتے ہیں۔ چھلی رات

بہبہ الگ ہو رہے تھے تو انہوں نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نہ ٹھہروں۔“

آئی۔ جی کی جملہ تھیں ذی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”بن اسی بناء پر میں تمہیں چاہتا تھا

کہ یہ کیس اسے سونپا جائے۔“

”ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہو۔“ ذی کی۔ آئی۔ جی نے آہستہ سے کہا۔

”اگر آیا بھی ہو تو کیا ہو سکتا ہے جب کہ ہمیں علم ہی نہیں کہ وہ کھڑ جا رہا ہے اور کیا کرنا

خیں۔ یہ تو ان بن مانسوں کا تذکرہ تھا جنہوں نے یو گو سلاوی سفیر کے اتنا پڑا کہ ڈالا تھا۔ اور جرال اللہ کے بیہاں پائے جانے والے درندوں میں بھی دوالی کی لاشیں لی ہیں جن کے گولیاں نہیں گئی تھیں۔ آخر یہ کیسے بن مانس ہیں جن میں سے کچھ کا ہارت فیل ہو جاتا ہے۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ آئی۔ حمید کی طرف اس انداز سے دیکھنے لگا جیسے وہ اس سے جواب چاہتا ہو۔ پھر اس نے حمید سے کہا۔

”جاو... فریدی کو تلاش کرو۔“

”بہت بہتر۔“ حمید نے کہا اور سر جھکا کر باہر چلا آیا۔

”کہاں پڑے خان۔“ اس کے ساتھی رمیش نے اسے چھپڑا۔

”ثیردوں کے اٹھے جمع کرنے۔“ حمید آنکھ مار کر بولا۔ ”اگر کسی ناپسست گرل کو ساتھ لے پلو تو تم بھی جمل سکتے ہو۔“

رمیش پاگلوں کی طرح بہنے لگا۔

حمدید نے موڑ سائکل لکایا اور برناڑ کے بنگلے کی طرف چل پڑا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ روزا موجود ہے یا نہیں۔ بلکہ متقل قہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جائے وہ سارا دن ادھر ادھر، ایک چکر قاسم کے گھر کی طرف لگایا تھا اور اسے یہ معلوم کر کے حرمت ہوئی تھی کہ قاسم ابھی تک لا پڑتے ہے۔

شام کو آر لکھوں میں رشیدہ سے ملاقات ہو گئی وہ انپکٹر آصف کو کھس رہی تھی۔ اور موجود نہیں تھا۔ آصف حمید کو دیکھتے ہی انھی گیا۔

”رات تو تم نے برا کمال کیا۔“ رشیدہ نے حمید سے کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔ اس قسم کے کمالات میری زندگی میں عام ہیں۔“

”اوپر اُر رہے ہو۔“

”میا آصف نے مل نہیں ادا کیا۔“

”اوہ.... اب وہ بہت کم چیज تھا۔“ رشیدہ سکرا کر بولی۔ ”اور خیراب تو تم آئی گئے ہو۔“

”اُس نے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے اور چانے کا بیل ادا کر دیا۔“ حمید نے اس طرح کہا جیسے کہ کوئاں کوئاں پڑھ کر سنارہا ہو۔

چاہتا ہے میں مانتا ہوں کہ وہ مجھے میں ذہین ترین آدمی ہے۔ لیکن بے قاعدگی تو نہیں برداشت کی جاسکتی۔“

”اُس کا کہنا ہے کہ اُس کی بے قاعدگی ہی اُسے مجرم تک بہت جلد پہنچا دیتی ہے۔“

ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”تو آپ اس رویے کو درست سمجھتے ہیں۔“ آئی۔ جی اُسے گھور کر بولا۔

”میرا یہ مطلب نہیں میں تو یہ عرض کر رہا تھا.....!“

”کچھ نہیں....!“ آئی۔ جی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اُسے مجبور سمجھے کہ وہ اب تک کی باقاعدہ رپورٹ پیش کرے وہ اکیلے اس کام کو کسی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ میں دیر نہیں چاہتا.... سمجھے آپ۔“

”بہت بہتر....!“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”میں برناڑ کو اس سازش کا سر غنہ نہیں سمجھتا۔“ آئی۔ جی نے خوبصوری دیر بعد کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ اُس گروہ کا ایک معمولی آدمی رہا ہو۔“

”لیکن بن مانس کا مسئلہ۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ ”جیز اللہ کا بھی بھی بیان نہیں کہ اُس نے درندے پر تین فائر کئے تھے جو مورتی اٹھا کر بھاگا تھا۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔“

”میں سمجھتا ہوں وہ بھی کوئی آدمی ہی تھا۔“ آئی۔ جی نے کہا۔ ”اور کھال کے نیچے بلٹ پروف لگائے رہا ہو گا۔“

”لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ برناڑ کی کھال کے نیچے سے بلٹ پروف کیوں نہیں لکھ۔ ظاہر ہے کہ اُس کا مقصد خود کشی نہ رہا ہو گا۔“

”سوال غور طلب ہے۔“ آئی۔ جی مدبرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”خیر یہ تو بعد کی بات ہے۔ خود ان بن مانسوں کا وجود ایک حرمت اگنیز و قوم ہے۔ آج میں اُن سے متعلق ایک ماہر علم الحیات کا بیان دیکھ رہا تھا۔ اُس کا کہنا ہے کہ اس رنگ اور قد کے بن مانس ابھی تک دنیا کے کچھ میں دریافت ہو سکے اور ان کی اندر وہی ساخت میں بھی اُسے کوئی عجیب بات نظر آئی ہے جسے وہ سمجھا ہی نہیں سکا۔... پھر اس نے ان درندوں کے متعلق جنہیں سرے سے گولیاں لی ہی نہیں تھیں لکھتے ہوئے اظہار خیال کیا ہے کہ ان کی موتمی ہارت فیل ہونے کی بجائے پر واقع ہوئے۔

پھر دروازے کے قریب سوچ شنول رہا تاکہ کسی نے پچھے سے اُس کی گردن پکڑی۔ حمید نے پٹنا چاہا لیکن گرفت مضبوط ہو گئی اُس نے کوشش کی کہ جملہ آور کو پیچھے پر لاد کر کر پڑ دے۔ لیکن دوسرا ہی لمحے میں اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ جملہ آور کے باٹھ بڑے اور گھنے بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ برآمدے میں پھیلی ہوئی تاریکی اور زیادہ گھری ہو گئی۔

خوفناک تجربے

حمد کو ہوش آیا تو اُس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ ڈوب رہا ہو۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھوں دیں۔ چاروں طرف پیلاہٹ نظر آرہی تھی۔ کسی آبی جانور کا تاریک سایہ اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس کے حلق سے پھر ایک گھنٹی گھنٹی سی چیخ نکلی۔ اُس نے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیے۔ دفتاری آبی جانور اُس پر جھکا۔ حمید نے پھر چیخ ماری اور چھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ تاریک سائے نے اُسے پکڑ کر پھر تہہ میں گردایا۔ حمید کو پوری طرح ہوش آگیا۔ کوئی آدمی اُسے دبوچے ہوئے ترپے پھوکنے سے روک رہا تھا۔

”کون ہو تم....؟“ حمید حلقت کے مل چینا۔

”میں ہوں پیدا ہے.... تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے۔“ اُس نے جواب دیا اور حمید ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ”آپ....؟“ وہ آنکھیں مل کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ ”تکنی پار پوچھو گے۔“ فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ”آخر اس مذاق کا کیا مطلب۔“

”میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کس قسم کا مذاق کیا گیا ہے۔“

حمدید بوكھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنے گھر کے کسی کمرے میں نہیں تھے اور یہ کہہ بھی عجیب ہی تھا جس میں نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی اور گھنٹن کا احساس قطعی نہیں تھا۔ ہوا کے ساتھ ہی ایک عجیب قسم کی خنکی بھی موجود تھی۔ ”ہم کہاں ہیں....؟“ حمید فریدی کو گھوکر بولا۔

”تمہیں اس کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے۔“ رشیدہ سر دلچسپی میں بولی۔ ”کیوں نہیں! مجھے یہ تو قوف بننا بھی آتا ہے۔“ ”برناڑی کی موت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“ رشیدہ نے بوجھا۔ ”اچھا خیال ہے۔ خدا تمہیں بھی ایسی ہی موت فصیب کرے۔“ ”مت کو۔“

”میرا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کھال کے نیچے کپڑے نہیں پہن رکھے تھے۔“

”حمد بد تیزی نہیں۔ درستہ تمہارے کان الکھاڑوں گی۔“

”کافوں کے بغیر بھی اچھاگلوں گا شاید اُس کے بعد تم مجھ سے شادی کر سکو۔“

”تم بہت بیہودے ہو گئے ہو میں فریدی صاحب سے تمہاری ٹکایت کروں گی۔“

”فریدی صاحب کو بن مانوں نے مار ڈالا۔ وہ انہیں اپنی قوم کی ایک لڑکی پیش کر کے فرزندی میں لیتا چاہتے تھے لیکن فریدی صاحب نے اٹھا کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں کالی نوس کا مجنح استعمال کرتا ہوں۔“

”بےکے جاؤ پاگلوں کی طرح....!“ رشیدہ چڑھ کر بولی۔

حمدید تھوڑی دیر تک اُسے چھیڑتا رہا پھر وہاں سے بھی اٹھ کر چلا آیا۔ اُس کی آتا ہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ فریدی نے اُسے بڑی شدت سے بور کیا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب وہ کئی دن کے لئے غائب ہو گیا۔

پھر سوچا ممکن ہے اب واپس یہ آگیا ہو۔ وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ رات ہو گئی تھی۔ خلاف معمول کپاڑا ٹھک کھاٹک کھلا ہوا تھا اُس نے موڑ سائیکل کی رفتار کم کر دی۔ چھاٹک سے گزر کر سیدھا گیراج کی طرف آیا۔ اُسے حرثت تھی کہ آج رکھوالي کرنے والے ایسٹشمن بھی نہیں ہو گئے۔ پھر اُسے ایک عجیب قسم کی بوکا احساس ہوا اور اس نے نھتوں میں جلن ہونے لگی۔ اُس نے چوک کر برآمدے کی طرف دیکھا اور اُسے نوکروں پر تاؤ آنے لگا کہ کم بخنوں نے برآمدے میں اندر ہرا کیوں کر رکھا ہے۔ اُس نے موڑ سائیکل وہیں چھوڑی اور نوکروں کے نام لے لے اور دھماڑتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھا۔

”کیا ہو گیا ہے ان کم بخنوں کو کوئی یوتا ہی نہیں۔“ وہ بڑیڑا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔

”قبر میں...!“ فریدی سگار سلاک کر بولا۔

حمد اپناء پڑھنے لگا۔ جب اجھی طرح پیٹ چکا تو گوگیر آواز میں کہنے لگا۔ ”مجھے خدا سے شکوہ ہے کہ اس نے ہمیں قبر میں بھی اکٹھا کر دیا۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“ فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ اب تم سوجاً بھی رات ہے۔
”آخر ہم میں کہاں۔“ حمید جھنگلا کر بولا۔

”مجھے خود بھی نہیں معلوم اور نہ میں ان لوگوں کو پیچانتا ہوں جن سے سابقہ ہے۔“
”آپ یہاں پہنچ کس طرح۔“

”یہ ایک دکھ بھری داستان ہے۔“ فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ ”شاید میں زندگی میں پہلی بار اس طرح یہ قوف بنا ہوں۔ میں تمہیں روانہ کر کے اس ٹرک کے پچھلے حصے میں چھپ گیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ ٹرک پھر لڑکال جنگل کی طرف والیں جائے گا۔ میں اپنی دانست میں ایک بڑا کار نامہ انجام دینے جا رہا تھا لیکن وقت مجھ پر قہقہے لگا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا ہوا درندہ میری موجودگی سے واقف تھا یا نہیں۔ لیکن اچانک میں نے اٹک آور گیس کی بو گھوس کی۔ ٹرک بڑی تیز رفتاری سے جا رہا تھا اس لئے کوڈ پڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں بڑی طرح کھانے لگا۔ اس کے بعد مجھے کھیاں ہیں... آگئے کھلی تو یہاں تھا۔ اسی تک مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔ سب لوگ نہایت بالاخلاق اور شریف ہیں۔“

”شاید ہم کسی بہت بڑے لیفٹ ہجڑی میں بند ہیں۔“ حمید بولا۔

اس کے بعد اس نے بھی وہ سب کچھ دہرا دیا جو اس پر گذری تھی۔ جیر الدل کے لٹ جانے کا واقعہ بھی بتایا۔ برnarڈ کی موت کے متعلق معلوم کر کے فریدی کی پیشانی پر لٹکنیں اُبھر آئیں۔

”تو اس کا یہ مطلب کہ جیر الدل تھی جس کی اُن معاملات سے کوئی سر و کار نہیں رکھتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا تو بھی خیال ہے برnarڈ شاید اُسے لوٹنے ہی کی فکر میں تھا۔ بعض اوقات ہم ظاہری اتفاقات کی بناء پر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اب پروفیسر جھوس سائی و الے معاملے کو لے لیجئے۔ میں تو اُسے سو فیصدی سازش سمجھتا تھا۔“

”ہاں... آں... آں...!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن...!“

اس نے آگے کچھ نہیں کہا۔ حمید اسے جواب طلب نظر وں سے گھور رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد

۱۔ حالات کے لئے دیکھنے جاؤ جاوی دینا کا ناول ”چیختہ در تیچے“ جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمائیے۔

فریدی بولا۔

”ایک چیز مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ آخر برnarڈ کی کھال کے نیچے بلٹ پروف کیوں نہیں ملے۔“

”یہ بات ضرور قابل غور ہے۔“ آفس کی مینٹنگ میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ ” غالباً ہم کسی زمین دوز عمارت میں ہیں۔“
”اس جگہ کی ساخت تو یہی بتاتی ہے۔“

”تعجب ہے کہ کسی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔“ حمید بولا۔

”راستہ تو ہے لیکن افسوس ہے کہ اندر سے راستہ بنا نے کا کوئی ذریعہ نہیں۔“
”میں نہیں سمجھتا۔“

”وہ جب چاہتے ہیں سامنے والی دیوار ہٹ جاتی ہے۔“

حمدی اس طرف دیکھنے لگا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔

دفعتاً ایک عجیب آواز کے ساتھ دیوار ایک طرف کھمک گئی۔ سامنے اسی قسم کا ایک دوسرا کرہ دکھائی دیا۔

”کمال ہے۔“ حمید بڑی طریقہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک دیوار کو دوسرا دیوار لگن گئی ہو وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ دفعتاً اس کی زبان بند ہو گئی۔

سامنے جیر الدل شاستری کھڑا اپنے پر سکون انداز میں سکرا رہا تھا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر بھی ایک شرات آمیز سکرا ہٹت تھی۔

”میرا ساتھی ابھی تمہاری صفائی پیش کر رہا تھا۔“ فریدی پس کر بولا۔

”لیکن تمہیں یقین نہیں آیا تھا۔“ جیر الدل نے کہا۔

”قطعاً نہیں۔“

”میں عرصہ سے تمہاری ذہانت کا مترف ہوں۔“

فریدی نے بڑی لاپرواہی سے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلکا یا اور حمید کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر جیر الدل نے کہا۔

”تمہیں لڑکال جنگل کا علم کیوں نکر ہوا تھا... کیا عرفانی نے بتایا تھا۔“

”نہیں.... لیکن تم لوگ عرفانی کے بیہاں کیا چیز ملاش کر رہے تھے۔“

”ایک ایسی چیز جو ایک غدار کے ذریعے عرفانی تک پہنچتی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو ہم سے متعلق ہو۔“

”لیکن تم اس چیز کی نوعیت سے واقف نہیں تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں....!“

”لیکن میں واقف تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”تمہیں عرفانی نے بتایا ہو گا۔“

”نہیں.... عرفانی خود بھی اُس سمجھے کو حل نہیں کر سکے تھے اور انہوں نے جس دن اپنے لئے بہت زیادہ خطرہ محسوس کیا میرے لئے اُسے محفوظ کرایا۔“

”میا چیز تھی۔“

”میا تم بقین کرو گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”باتوں میں غور سے سن رہا ہوں۔“

”تعلیمی تاش کے دو پتے جن پر حروف ”ل“ تھے۔ ایک کی پشت پر ایک لڑکے کی تصویر تھی اور دوسرے کی پشت پر دو فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا۔“

”بس....!“ جیراللہ حیرت سے بولا۔

”اور ان دونوں تاشوں سے بنا لڑکاں جنگل۔“

”بنا ہو گا۔“ جیراللہ لاپرواہی سے بولا۔ ”میں کچھ اور سمجھا تھا۔“ میں لڑکاں جنگل کا نام معلوم کر لینے کی بنا پر تم بیہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔“

”شاید میں بیہاں موجود ہوں۔“ فریدی طنز آمیز لمحے میں بولا۔

”لیکن تم بیہاں لائے گئے ہو۔“

”اگر تمہارا وہ بن ماں ہو شیارنا ہو تو میں خود ہمی پہنچ گیا تھا۔“

”ہم نے شروع ہی سے تم پر گھری نظر کی تھی۔“ شاستری مسکرا یا۔

”میں بھی بھی کچھ محسوس کرنے لگا تھا اگر اپاںک اس طرح نہ پھنتا تو میرے ذہن میں دوسری ہی تدبیریں تھیں۔“

”ہوں.... اور اب تم نے کیا سوچا ہے۔“ جیراللہ نے تفحیک آمیز لمحے میں پوچھا۔

”یہی کہ اس گروہ کا خاتمہ کرنا پڑے گا۔“ فریدی لاپرواہی سے بولا۔

”میں تمہاری دلیری کی بھی قدر کرتا ہوں۔“ جیراللہ نے نرم لمحے میں کہا۔ ”میں نے شجاعت اور ذہانت کو ایک ساتھ بہت کم دیکھا ہے۔“

”شکر یہ! میں اس تعریف کے سطے میں تمہاری قبر پر پھول ضرور چڑھاؤں گا۔“
جیراللہ ہنسنے لگا۔

حمدید کو اب پھر اس کا چہرہ پہلے ہی کی طرح خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

”اوہ....!“ جیراللہ نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تمہارے کندھے پر چوہپا چل رہتی ہے۔“

”ظاہر ہے کہ اگر وہ ہاتھی ہوتا تو میں کچل گیا ہوتا۔“ حمید نے نہ کہا۔ ”لیکن آپ نے آخر میری عزت افرادی کیوں فرمائی۔ میں تو دنیا کا ڈیوٹ ترین آدمی ہوں۔“

”میں ایسا نہیں سمجھتا۔ میں تمہاری بھی قدر کرتا ہوں۔“

”اچھا ڈرایہ تو بتائیے کہ میری موت کب آئے گی۔“ حمید نے اُس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں کی زندگی مشروط ہے۔“

”اوہ.... یہ بات بھی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

”تمہاری بے حیائی پر مجھے حیرت ہے۔“ جیراللہ بولا۔ ”تم ہے میں عظیم ترین فریدی کہتا ہوں۔ تم ان لوگوں کے لئے جان دیتے ہو جو تم پر اعتماد نہیں کرتے۔ میری ایک ذرا سی شکایت پر تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسون ہو گیا بلکہ ایک طرح سے تم بکار بھی کر دیے گئے۔“

”ہوں....! تو پھر....!“

”عزت، شہرت، دولت! تمہیں میرے ہی دکھائے ہوئے راستے پر ملے گی۔ ہم اس بات مل یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں صرف انہیں زندہ رہنے کا حق ہے جو ہر لحاظ سے طاقتور ہوں۔“

”خیال برا نہیں ہے.... پھر!“

”پھر یہ کہ.... تم عقل مند ہو....“ تمہیں ہمارے ساتھ سب کچھ ملے گا۔ میں نے دنیا کے پڑکن دماغ اکٹھا کئے ہیں اور وہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بس ایک اشارے کی

جسم پر کوئی جگہ خالی رہ جاتی تو جرم پر بھی پر پر سکتا تھا۔“

”خوب!“ جیر اللہ مسکرا کر بولا۔ میں ایک بار پھر تمہاری ذہانت کی تعریف کرتا ہوں۔

”لیکن میں ایک بات ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہوں کہ تمہارے کچھ بن مانس خود بخود کیوں مر جاتے ہیں۔“

”یہ بات اس وقت تک تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ عملی نمونہ پیش نہ کیا جائے۔“ جیر اللہ بولا۔ ”فریدی ہم لوگ ایجادات اور اختراعات کے معاملے میں موجودہ دور سے صدیوں آگے تکل گئے۔ ہمارے پاس ایسے آلات ہیں جنہیں صحیح معنی میں نیا کہا جا سکتا ہے۔ اسی تو انہی کی دریافت اور اس کے استعمال کو دنیا کا سب سے بڑا کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا تم اسے جدید کہہ سکتے ہوں؟ کیا یہ خیال یا ہے میرے دوست! اس خیال نے حضرت عیسیٰ سے پہلے بھی جنم لیا تھا۔ کیا اپنے ڈولس کے ذریتی نظریہ کائنات میں موجودہ ایسی دریافت کی جزیں نہیں ملتیں۔ لیکن ہم اپنے معاملے میں جدیدہ ترین ہیں۔ ہم نے قوت حیات و غم پر قابو پایا ہے۔ مسٹر حید کے کاندھوں پر زیگتی ہوئی چوپیا منشوں میں خرگوش کے برابر ہو سکتی ہے۔“

”اوہ...!“ فریدی حیرت سے اپنے ہونٹ سکوڑ کر رہا گیا۔

”ہمارے پاس ایک نہیں درجنوں الگی ایجادات ہیں۔“ جیر اللہ نے کہا۔ ”دور کیوں جاؤ۔ اسی کمرے کو لے لو جس میں تم مقیم ہو۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم کسی زمین دو ذکرے میں بیٹھے ہو۔ یہاں نہ کوئی کھڑکی ہے اور نہ کوئی روشنداں پھر بھی تمہیں گھنٹن نہیں محسوس ہوتی۔ ان زمین دو ز عمارتوں کا سلسلہ دو میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کیا نہیں ہے۔“

”تمہارا اگر وہ ہمارے ملک میں کب سے کام کر رہا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”آن کی بات نہیں ہے، ہم نے پہلی جگہ عظیم کے بعد ہی سے اپنا ہیئت کو اور قائم کر لیا تھا۔“

”اور متعدد کیا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ساری دنیا پر حکومت۔ کمزوروں کو قوی ترین آدمیوں کے زیر نگین لانا۔ جمپوریت کو ہم ریگتے ہوئے کیڑوں کا نظام سمجھتے ہیں۔“

”بالکل تھیک سمجھتے ہیں آپ۔“ حید سمجھی گئے بولا۔ ”میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔“

”جب تم بھی یہی سمجھتے ہو تو تمہاری تحریک سے تمہیں پوری پوری ہمدردی ہوئی چاہئے۔“

ضرورت ہے اُس کے بعد ساری دنیا پر ہماری حکومت ہو جائے گی۔“

”شیخ چلی کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔“ حید نے فریدی کی طرف مزکر بڑی سمجھی گئے پوچھا۔ ”تم جھوٹ سمجھتے ہو۔“ جیر اللہ یک بیک بگز گیا۔ ”کیا یہ بن مانس تمہاری اوندھی ہو پڑی کے لئے حیرت انگیز نہیں۔ لاو۔... دنیا کے کسی گوشے سے ایک ہی لاو۔... لا سکو گے۔“

”نہیں شاستری! وہ یقیناً حیرت انگیز ہے.... حید احمق ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اگر تم ان کی بیبید اور کا طریقہ دیکھو تو عش کراٹھو گے۔“ جیر اللہ نے کہا۔ ”وہ عمل جو ارتقاء کے ذریعے صد ہا برس میں ہوتا ہے اسے ہم چند ہی گھنٹوں میں کر لیتے ہیں۔ چند گھنٹوں میں صد ہا سال آگے ہوتا ہے۔“

”وہ کس طرح...؟“

”سب دیکھ لو گے۔“ جیر اللہ مسکرا کر بولا۔ ”اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم یہاں سے خود تاقیامت نہیں تکل سکو گے کہ میں نہ چاہوں۔ انسانی زندگی کی میری نظریوں میں کوئی وقعت نہیں۔ تم نے دیکھا جوزف، اس کی بیوی اور برادر کتنی آسانی سے مر گئے۔“

”میں نے سب کچھ دیکھا اور سمجھا ہے۔“ فریدی نے سمجھی گئی سے کہا۔ ”برادر کی موت حالانکہ میرے سامنے نہیں واقع ہوئی۔ لیکن میں اس کا طریقہ بھی سمجھ گیا ہوں۔“

”کیا...؟“

”برادر بن مانس کی اس ٹولی میں نہیں تھا جو لکھاں جنگل سے روانہ ہوئی تھی۔“ فریدی سارا کاش لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم اسے اس لئے ختم کرنا چاہتے تھے کہ اس سے حید کے معاملے میں ایک حادثہ سرزد ہوئی تھی۔ لیکن اگر وہ نہ بھی سرزد ہوئی تو برادر کے خلاف میرے پاس کافی مواد موجود تھا۔ میں ملکی موت اُسی کے ہاتھوں واقع ہوئی تھی۔ میں نے اسے اس کی رانی میں زہریلی سوئی چھاتے دیکھا تھا۔ بہر حال تم نے کل رات برادر کو پہلے ہی سے اپنے پاس روک رکھا تھا اور کسی بہانے سے اسے بن مانس کی کھال پہنادی تھی۔ بیسے ہی تمہاری اسیم کے مطابق دوسرے بن مانس تمہارے مکان میں داخل ہوئے تم نے برادر کو گولی مار دی۔ اس طرح اس کا حصہ بھی پاک ہو گیا اور دوسری طرف تم نے پولیس کی نظریوں میں اپنی پوری شن بھی صاف کر دی۔ لیکن تم ذرا سا چوک گئے۔ اگر اسے بھی کھال کے نیچے بلکہ پروف اس طرح پہنادیتے کے

”میں نہایت سنجیدگی سے آپ کی تحریک کی حمایت کرتا ہوں۔“

”کیا بکتے ہو۔“ فریدی نے اسے ڈالا۔

”تمنے سے فریدی صاحب اور نہ سر توڑوں گا۔“ حمید اپنی آشین چھاتا ہوا بولا۔

”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ فریدی کو اچانک غصہ آگیا۔

”میں پوری طرح ہوش میں ہوں! تم اپنی خبر لو۔“ حمید نے کہا۔ ”آج پہلی بار مجھے ایک سمجھ آدمی ملا ہے۔ تم نے مجھے کیا دیا ہے۔ ہمیشہ میری ترقیاں روکاتے رہے۔ آج تک میری شادی نہ ہونے والی وغیرہ وغیرہ۔“

”اوہوا! انے کی ضرورت نہیں۔“ جیراللہ آن کے درمیان میں آگیا۔ پھر وہ حمید کا ماتحت کر بولا۔

”سارجنٹ تمہیں آرام کی ضرورت ہے میرے ساتھ چلو۔... اور فریدی یہ۔ ہمیشہ سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔ شروع ہی سے تم میری نظروں میں تھے اور میں کسی مناسب موقع کے تلاش میں تھا۔ اگر میں تمہیں ختم کرنا چاہتا تو شہر ہی کی سڑک پر یہ نیک کام انجام پا جاتا۔“

”میرے خیال سے اسے ختم ہی کر دیجئے۔“ حمید بولا۔ ”اس سے زیادہ ہٹ و ہرم آدمی آن تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔“

جیراللہ کچھ کہے بغیر حمید کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ کمرے کی حدود سے نکلتے ہی پھر دیوار کھڑکھڑاتی ہوئی اپنی جگہ پر آگئی۔



آج شاید زندگی میں پہلی بار حمید فریدی کے ساتھ اتنی گستاخی سے پیش آیا تھا۔ مزاہ اگر کبھی اس نے اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ فریدی کو چھیڑتا بھی رہتا تھا مگر اسی انداز میں جیسے اکثر شریر بیچے اپنے بزرگوں سے خوش فعلیاں کرتے ہیں.... مگر آج اس کا انداز کچھ اور ہتھا.... وہ ضرور سے زیادہ گستاخ نظر آ رہا تھا۔

بہر حال آج فریدی حمید کے اس روئے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ اس سے قبل اس نے اس کی حرکتوں کو کسی شریر بیچے کی حرکتوں سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی اور نہ اسے آج کوئی ایسے موقع ہی یاد آ رہا تھا جب حمید نے اس سے اتنی سرد مہری اور بے وقاری کا بر تاؤ کیا ہو۔ اس کے

روئے سے ہمیشہ یہی معلوم ہوتا تھا ہیسے وہ اُس سے چھٹا ہوا اُس کی قبر تک میں کو دیجائے گا۔ کیا وہ جعفر جیراللہ سے اتنا ہی مر عوب ہو گیا تھا کہ اُس کی محضری چکنی چپڑی گفتگو نے اسے پھسالا۔ حمید سے انتہائی خطرناک موقع پر ہی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور اکثر خود کو موت کے منہ میں ڈال کر اُس کی جان بچائی تھی۔ پھر یہ بیک اسے کیا ہو گیا۔

فریدی نے ایک سگار سلاکا اور بے چینی سے ٹھلنے لگا۔ آج شاید زندگی میں پہلی بار وہ رنجیدہ نظر آ رہا تھا۔



سرجنٹ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ یہ کرہ بھی ویسا ہی تھا لیکن اس کا سازو سامان ذرا شاہنہ قائم کا تھا۔

”میں پہلی ہی ملاقات میں آپ سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔“ حمید نے جیراللہ سے کہا۔ جو ایک گلاں میں شراب انڈلیں رہا تھا۔

”تم مجھے یہ تو قوف تو نہیں بنا رہے ہو میرے دوست....!“ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

”دیکھئے جناب۔“ حمید تیز لمحے میں بولا۔ ”میں ایسے آدمیوں پر لعنت بھیجا ہوں جو میری نیک نتی پر شہبہ کریں۔ فریدی سے میں عرصہ سے نفرت کرتا تھا اور مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی، اتفاق سے آج وہ میرے ہاتھ آ گیا۔“

”تم فریدی سے نفرت کیوں کرتے تھے۔“

”مخفی اس لئے کہ وہ مجھ پر اعتناد نہیں کرتا تھا۔ پہلے سے بھی اپنی کوئی ایکیم نہیں بتاتا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہوا۔ یہی ناک اسے مجھ پر اعتناد نہیں تھا۔ اب کل رات ہی کا معاملہ لے لیجئے۔ ہم دونوں ساتھ ہی چلے تھے لیکن وہ بن مانسوں کو آپ کے مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر کچھ کہے سنے بغیر مجھ سے الگ ہو گیا۔“

”اچھا دوست میں تمہیں آزمالوں گا۔“ جیراللہ نہ کر بولا۔

”جس وقت دل چاہے۔“

”میا تم فریدی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر سکو گے۔“

”جب کہئے تب.... میں اس کی بولیاں نوچنا چاہتا ہوں۔ اُسی کی بدولت میں اب تک موبقی

کاموچی رہا۔

”خیر.... شراب پیو گے۔“

”میں شراب نہیں پیتا۔“

”میا تم فریدی کو سمجھا کر راہ راست پر نہیں لاسکتے۔“

”ناممکن ہے جناب.... وہ مر جائے گا لیکن آپ کی بات نہیں مانے گا۔“

”اور اگر میں منوالوں تو۔“

”میں اسے دنیا کا عظیم ترین کار نامہ سمجھوں گا۔“ حمید نے سمجھ گئی سے کہا۔

”اچھا تو تم اس معاملے میں بھی میری قوت کا اندازہ لگا سکو گے۔“ جیراللہ نے ہس کر کہا۔



دوسری صبح فریدی کو ایک بہت بڑے کمرے میں لے جایا گیا۔ اُسے کمرے کے علاوہ اور کہا جاسکتا تھا۔ اُس کی ساخت بھی ولیسی تھی۔ جیسی اس کمرے کی تھی جس میں فریدی دور اتم بسر کر چکا تھا۔ بہر حال اُسے کرہہ تھا کہا جاسکتا تھا خواہ اُس کی لمبائی اور پورٹائی ایک فرلانگ تھی کیوں نہ رہی ہو۔ یہاں بڑی بڑی دیوپیکر مشینیں نصب تھیں اور یہاں کی دیواریں دروازوں سے محروم نہیں تھیں۔ جیراللہ نے بڑے تپاک کے ساتھ فریدی کا خیر مقدم کیا۔

اچانک فریدی کی نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جیسے وہاں دیکھ کر اُسے بڑی حرمت ہوئی۔ گرانڈیل امتحن قاسم تھا۔ شاید قاسم خود بھی فریدی کو دیکھ کر متحیر تھا۔ وہ جھپٹا ہوا فریدی کے پاس پہنچا۔ جیراللہ شاید اپنے آدمی کو کسی قسم کی ہدایات دینے مت مشغول ہو گیا تھا۔

”ف..... ری..... ری..... ری..... صاحب۔“ قاسم ہکلایا۔

”تم یہاں کیسے؟“

”جو تھی صاحب مجھے یہاں لائے ہیں، بہت اچھے آدمی ہیں۔ میرے بہت بڑے ہمدرد۔“

”ہمدرد! وہ کسی طرح؟“

”جی....!“ قاسم اپنی انگلی مزورتا ہوا شمارکر بولا۔ ”انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔“ میرے لئے ایک بہت بھگڑی سی سورت بنا دیں گے۔ میرے ہی ڈیل ڈول والی۔“

”بنا دے گا؟“

”جی ہاں! اور کیا! وہ ذریعہ فٹ اوچے معمولی سے بندر کو بنانے والا ہے۔“

”اوہ....!“ فریدی کس بیوچ میں پڑ گیا۔

”یہاں بہت سی لڑکیاں ہیں۔“ قاسم رازدارانہ لمحے میں بولا۔

”تمہیں یہاں تک پہنچنے کا استاد یاد ہے۔“

”نہیں تو.... میں نے انہیں اپنی دکھ بھری داستان سنائی تھی اس پر انہوں نے اپنی روحانی طاقت سے مجھے یہاں بلا لیا۔“

”روحانی طاقت سے۔“

”جی ہاں! میں اپنے ایک ملنے والے مسٹر بر نارڈ کے یہاں چائے پی رہا تھا.... جب آنکھ کملی تو میں نے خود کو یہاں دیکھا۔ جو تھی صاحب نے مسٹر بر نارڈ کی لڑکی روزا کو بھی بیہلی بلا لیا ہے اور اُسے میرے لئے بھگڑی بنا دیں گے۔“

”حید نے ملاقات ہوئی۔“

”ہائیں! کیا وہ بھی آئے ہیں۔“

”ہاں....!“

”اچھا تو بھیک ہے.... مزہ رہے گا۔“

جیراللہ ان کی طرف آرہا تھا۔

”کیا آپ لوگ ایک دوسرا سے واقف ہیں۔“ اُس نے فریدی سے پوچھا۔

”ہاں.... میں انہیں جانتا ہوں۔“ فریدی نے خشک لمحے میں کہا۔

”ہائیں.... حید بھائی۔“ قاسم انہکر حید کی طرف دوڑا جو ایک دروازے سے داخل ہو رہا تھا۔

”میں اس کی قوت سے متاثر ہوا ہوں۔“ جیراللہ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ میرے بن

مانسوں کی رہنمائی کرنے کے قابل ہے۔“

ست فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حید کو گھور رہا تھا اور حید اُسے گھور رہا تھا۔

انتے میں جیراللہ کے آدمی دو لنگرے آدمیوں کو یہاں لے آئے ان دونوں کی ظاہری حالت

کہہ رہی تھی کہ وہ شہر کے فٹ پاٹھ پر بھیک مانگتے رہے ہوں گے۔

”ید کھو فریدی۔“ جیر اللہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”یہ آدمیوں کا فضلہ ہے۔“

فریدی نے مشین کے نیچے ایک شب میں سیاہ رنگ کا گاڑھا سیال دیکھا جو کوتار سے مشابہ تھا۔ ”ایک ستارتین کوتار۔“ جیر اللہ نے قہقہہ لگای۔ ”جو تمہاری سڑکوں پر ڈالا جائے ہے پایا ج آدمیوں کا فضلہ۔ ان کے جسموں کا بہترین حصہ میرے بن مانسوں کا جزو بدن ہو جاتا ہے۔“

”بھر بھر....!“ حمید خوشی سے تالیاں پیٹھے لگا۔ ”اسکیلے قائم کے جسم سے چار بن مانس تیار ہو سکتے ہیں۔“

”تمہارے پچھے ہو سکتے ہیں... میں سر پھاڑ دوں گا تمہارا۔“ قاسم بھنا کر بولا۔

جیر اللہ نے خانے دار روادر کا دروازہ کھولا۔ اس کے اندر سامنے ہی والے خانے میں ایک طویل القامت بن مانس او گھر رہا تھا۔ دو آدمیوں نے اُسے پکڑ کر اندر سے نکلا اور ایک اسٹرپچر پر ڈال دیا۔ پھر چار آدمی اسٹرپچر کو اٹھانے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

”اب اسے دو مختلف قسم کے انحصار دیتے جائیں گے“ جیر اللہ نے کہا۔ ”اور وہ بالکل فک ہو جائے گا اور ہاں تم نے ان درندوں کے متعلق سوال کیا تھا جو خود بخود مر جاتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کی سمجھیں میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے۔ جس کی بناء پر وہ زیادہ دیر میں نہیں چلتے۔“

”وقتی یہ ایک شاندار دریافت ہے۔ انہیں آدمیوں سے بخوبی لڑایا جاسکتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”قطی..... ان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے۔“ جیر اللہ بولا۔ ”میں ہمیشہ صاف بات کہتا ہوں۔ یہ ایسی قوت نہیں ہے کہ جسے پہلے امن طریقے پر تیسری کاموں میں صرف کیا جاسکے۔ میں دنیا کو دھوکے میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔ میں کبھی نہ کہوں گا کہ ان بن مانسوں سے سمجھی بازی کا کام لیا جائے گا۔ میں ایسی امن کی فاختہ نہیں اڑاتا جس کے پیٹ میں بم بھرے ہوئے ہوں۔ میں علائیہ کمزوری کی تباہی ہوں۔“

”مجھے تمہاری صفائی پسندی پر خوشی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”سنبلو شاستری۔“ حمید چیخا۔ ”کہیں اس کے کمر میں نہ آ جائ۔ میں اس کی رنگ رنگ سے واقف ہوں۔“

فریدی دانت پیس کر، ہمیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا حمید کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

پھر انہیں ایک مشین کے ایک بہت روادر میں ڈال دیا گیا جو اندر سے کھو کھلا تھا اور جب اس کا دروازہ بند کیا جا رہا تھا تو فریدی بے اختیار چیخ پڑا۔ ”یہ کیا کرنے جا رہے ہو تم۔“

”کچھ نہیں بس دیکھتے جاؤ۔“ جیر اللہ مکریا۔ ”یہ صحت مند ہو کر نکلنے گے۔“ پھر ایک دوسری مشین کا روادر کھولا گیا۔ یہ روادر آڑا گا ہونے کے بجائے سیدھا کھڑا ہوا تھا اور اس کا قطر چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوا۔ اس کے اندر متعدد خانے نظر آ رہے تھے۔

پھر ایک معمولی سائبند لایا گیا جسے خود جیر اللہ نے اسی روادر کے ایک خانے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد دونوں مشینیں چل پڑیں۔ دونوں کے روادر تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ مشینوں کے شور کے باوجود جیر اللہ کی تیز آواز یہ کہتے نہیں دے رہی تھی۔ ”دو پایا ج آدمیوں سے ایک طاقتور جانور بہتر ہے۔“ دو دونوں پایا ج آیک طاقتور بن مانس کی تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کی بہیاں اور ان کا گوشت ایک جیرت انگیز جانور کی شکل میں تبدیل ہو رہا ہے۔

”کیا کر رہے ہو تم....!“ فریدی چیخ کر جیر اللہ کی طرف چھپتا۔

دوسری طرف سے حمید نے ایک موٹی سی لوہے کی سلاح اٹھائی اور اُسے گردش دیتا اور چیختا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ ”اگر تم نے شاستری کی شان میں گستاخی کی تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گا۔“ قریب تھا کہ حمید فریدی پر حملہ کر میٹھے کئی لوگ درمیان میں آگئے۔ جیر اللہ کا قہقہہ مشینوں کے شور پر لہرا رہا تھا۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔ ”طااقت پر ایمان لا، فریدی تمہارا استثنہ تم سے بہتر ہے۔“

فریدی اپنی جگہ پر کھڑا گئے کہ گھونٹ پی رہا تھا وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُسے باہر نکلنے کا راستہ بھی تو نہیں معلوم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی حالت میں غصے کو قابو میں رکھنا زیادہ بہتر ہو گا۔ جیر اللہ ساری دنیا کے لئے ایک بہت بڑا خطہ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہی ہو جائے۔ پھر کیا ہو گا۔ جاہی، بر بادی، وہ ان جنگ بازوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جو آئے دن ایک دوسرے کو ایسی دھمکیاں دیتے رہے ہیں۔ فریدی طرح طرح کے خیالات میں الجھتا رہا پھر تھوڑی دیر بعد وہ مشینیں رک گئیں اور فضائیں کان چھڑا دیئے والا ستائیا جیک ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا ہیسے زمین کی گردش رک گئی ہو اور کوئی دوسرے اسیہ اس سے نکرانے کے لئے تیزی سے بڑھتا آ رہا ہو۔

حیدر اے تھے سے الہادیتا اور اب حیدر کے خلاف اُس کا غصہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ موقع ملنے پر وہ اُسے مار دالنے سے بھر گریزنا کرتا۔

دوسری طرف حیدر صحیح معنوں میں عیش کر رہا تھا۔ اُس جدید ترین سائنسیک غار میں پندرہ سولہ خوش محلہ لڑکیاں تھیں۔ جن کے متعلق جیر اللہ نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سب بھی ایک تعمیری خدمت انجام دیتی ہیں۔ وہ دراصل شہر سے نوجوانوں کو چھانس کر یہاں لاتی تھیں اور وہ بیچارے مختلف قسم کی تجربات کے نذر ہو جاتے تھے اور ان کے جسموں کا بچا کچھ حصہ ستے ترین کوتار میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔

فریدی کو یہاں ایسی ایجادات نظر آئیں کہ وہ تحریرہ گیا یقیناً وہ لوگ اپنی ایجادات کے معاملے میں جدید ترین تھے۔ جیر اللہ کا دعویٰ غلط نہیں تھا۔... دو میل بھی چوڑی زمین دوز دنیا ہر لحاظ سے عجیب تھی۔ انہوں نے نئے نئے مصنوعی سورج بنائے تھے اور جیر اللہ کا دعویٰ تھا کہ ان کی روشنی اور حرارت میں وہ سارے نیچرل اوصاف موجود ہیں جو وقت حیات و نمو کے لئے ضروری ہیں اور خود فریدی کو بھی اس کا تجربہ ہو گیا تھا۔... ان چھ دنوں کے دوران میں ایک لمحے کے لئے بھی اُسے گھنٹن کا احساس نہیں ہوا تھا اور اس کی صحت بھی برقرار رہی تھی۔ اپنی قتوں میں اُسے کسی قسم کا انحطاط نہیں محسوس ہوا تھا۔

فریدی نے جیر اللہ سے پوچھا کہ آخر اسے قبل از وقت اپنے بن مانوں کی نمائش کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ جو کام اُس نے ان سے لئے تھے وہی آدمیوں سے بھی لے سکتا تھا۔ اس پر اس نے نفس کر کہا تھا۔ ”تم ہمارا ایک دوسرا بیمار از جانش کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر خیر۔... میں تمہیں بتاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ راز اس زیر زمین دنیا سے باہر نہیں جا سکتا۔... سنو۔... وہ ایک طرح کا اشارہ تھا ہمارے عالمی اداروں کے لئے ظاہر ہے کہ تمہارے یہاں کی خبر رسال ایکجنبیوں نے ان عجیب و غریب بن مانوں کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی ہو گی اور میزی تحریک کے جیالے اس اشارے کا مطلب سمجھ کر اپنے کام میں لگ گئے ہوں گے اور یہ کام ہے خلف ممالک کی جھنے بندی ختم کرنا۔ ہم ان میں غلط نہیں پھیلا کر پھوٹ ڈلوادیں گے۔ اُس کے بعد انہیں ایک ایک کر کے پیٹ لینا مشکل نہ ہو گا۔“

فریدی اس مسئلے پر بھی غور کرتا رہا تھا یہ ایک خوفناک سازش تھی اگر ایسا ہوا تو ساری دنیا جنم

”نہیں فریدی صاحب نے سچی بات کہی ہے۔“ قاسم تھوک نگل کر پڑ بڑا یا اس کا حلق خنک ہو رہا تھا۔

”اب میں قاسم کے ذیل ڈول کی ایک عورت تیار کر دیں گا۔“ جیر اللہ نے نہیں کر کہا۔

”جی ہاں! جی۔...!“ قاسم جلدی سے بولا۔ ”وہی روزا۔... روزا۔...!“

”کیا۔...؟“ حیدر حق پھاڑ کر چیخا۔ ”کون روزا بر نارڈ۔... تم کتے۔ میری محبوبہ پر دانت لگائے پڑھے ہو۔“

”تمہارے باب کی محبوبہ ہے۔“ قاسم جملہ کر بولا۔

”نہیں میری ہے۔... شاستری میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اُس لڑکی پر رحم کرو۔... ورنہ میں خود کشی کر لوں گا۔ غصب خدا کا۔... وہ پھول ساجھ۔... قاسم تجھے خدا غارت کرے۔“

”تم کو خود غارت کرے۔“ قاسم نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”میں قاسم سے وعدہ کر چکا ہوں۔“ جیر اللہ بولا۔

”تو پہلے مجھے زہر کا نکلش دے دینا۔“

”خیر اس پر پھر کبھی غور کریں گے۔“ جیر اللہ نے آلتا کر کہا۔

”کر دی ناتم نے گڑ بڑ۔“ قاسم حیدر کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”خدا تمہیں فنا کر دے۔“

”فریدی۔... پھر سوچو۔“ جیر اللہ نے فریدی سے کہا۔

”ہاں میں سنجیدگی سے اس پر غور کر دوں گا۔“

”اور اپنے ہی مطلب کی سوچو گے۔“ حیدر نے طنزیہ لمحے میں کہا۔

”جیر اللہ! اس نک حرام کو میرے سامنے سے ہٹا دو۔“ فریدی کو پھر غصہ آگیا۔

”میں تمہارے جنازے کے ساتھ ہی رہوں گا۔“ حیدر نے سنجیدگی سے کہا۔



فریدی کو زندہ در گور ہوئے چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ ابھی تک اُسے کوئی ایسی تدیر نہیں سو جھی تھی۔ جس پر عمل کر کے وہ کم از کم اس قید سے تورہائی پاسکتا۔ صرف ایک چال تھی لیکن اُسے بھی حیدر ناکام بنا دینے پر تلا ہوا تھا۔ فریدی جب بھی جیر اللہ پر دوڑے ڈالنے کی کوشش کرنا

ہے۔ راستہ دراصل اس کو لاتار فیکٹری میں نکلتا ہے جو لڑکاں جگل والی سڑک کے سرے پر واقع ہے اور وہ فیکٹری بھی جیرالڈ ہی سی تعلق رکھتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہاں سے نکلیں کیوں نکر۔ اول تو دروازے تک پہنچنا ہی مشکل ہو گا۔ اگر پہنچ بھی گئے تو وہاں اوپر فیکٹری میں دن رات آدمیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود رہتی ہے۔

اس دوران میں حمید ساتھ ہی ساتھ بڑبڑاتا بھی رہتا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جیرالڈ کی تعریف میں باقاعدہ پیغمبر جہاڑ رہا ہو۔ جب وہ خاموش ہوا تو فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں غور کر رہا ہوں۔ جیرالڈ کی شخصیت مجھے پسند ہے۔ لیکن اسکا طریقہ کاربہت ہی بہمنہ ہے۔“
”سنئے جاتا۔“ حمید اکثر کر بولا۔ ”شاستری صاحب مجبور نہیں ہیں۔ وہ سائنسیک طور پر بھی آپ کے خیالات بدل سکتے ہیں۔ صرف ایک گھنٹے تک ایک مشین میں آپ کی مرمت ہو گی۔“
اس کے بعد آپ محسوس کرنے لگیں گے جیسے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہوں۔ میں نے وہ مشین دیکھی ہے۔“

”میں عجیب کشمکش میں پڑ گیا ہوں۔“ فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں ابھی اور سوچوں گا۔ پھر فیصلہ کروں گا۔“

”وہ بھی اپنی بڑبڑا ہست جاری رکھے ہوئے کاغذ پر لکھنے لگا۔“ شاباش میئے حمید۔ ”ابے میں تجھے اپنا ولی عہد بنا دوں گا میرے ذہن میں فی الحال ایک تجویز ہے یہاں اور بھی بن مانسوں کی کھالیں موجود ہوں گی انہیں کسی طرح مہیا کرو اور پر فیکٹری والوں سے ہم انہیں پہن کر محفوظ رہ سکیں گے۔۔۔ اور یہاں رات کو تو سب سوتے ہی ہوں گے انہیں یقین ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی نہ تو یہاں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہاں سے نکل سکتا ہے۔ اس سلسلے میں روزا سے گفتگو کرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ سڑک بھی فیکٹری ہی میں رہتا ہو گا۔ جس میں بن مانس سفر کیا کرتے ہیں۔“

فریدی کی زبانی فتحیوں پر حمید بگڑ کر بولا۔ ”تواب میرا فیصلہ سنئے۔ میں محکمہ سراغ رسانی میں بھی کام کروں گا اور اس عظیم تحریک سے بھی تعلق رکھوں گا۔“

”میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔“ فریدی اس کی طرف جھپٹا۔ حمید نے وہ کاغذ تھہ کر کے فریدی کی جیب میں رکھ دیا اور خود مدد کے لئے چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ فریدی اس کے سینے پر پڑھ بیٹھا اور حمید اس طرح کی آوازیں نکالنے لگا جیسے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔

بن جائے گی۔ اُسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن وہ اُسے جذباتی بن کر ضائع بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ وہ جس وقت بھی چاہتا۔ جیرالڈ سے بھڑکتا تھا مگر اُس کا یہ فعل غیر افادی ہوتا۔ وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے گھری کی طرف دیکھا گیا رہنگر ہے تھے۔

دفعتاً سامنے والی دیوار اپنے داہنے جوڑ کے پاس سے گھکنے لگی اور دوسرے ہی لمحے میں حمید اندر گھس آیا۔ دیوار پھر اپنی اصلی جگہ پر آگئی۔ حمید نے اس طرح اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ جیسے فریدی کو چپ کرنا چاہتا ہو۔ پھر اُس نے اُسے آنکھ مار کر بلند آواز میں کہا۔ ” غالباً آپ نے شاستری صاحب کی باتوں پر غور کیا ہو گا۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لمحے میں حمید نے اپنی جیب سے سادہ کاغذ کا یک گلڑا نکالا اور پھل سے اس پر کچھ لکھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ ”آپ غلطی پر ہیں۔ میری سنئے یہ لوگ بہت طاقتور ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ طاقت کا ساتھ دینا چاہئے۔“

اسی طرح وہ اور بھی باتیں کہتا رہا۔ فریدی کی نظریں اُس کا غذ پر جمی ہوئی تھیں۔ جس پر حمید لکھ رہا تھا۔ ”ستاد! اس بار میں نے آپ کو شکست دے دی۔ خاموش۔۔۔ خاموش کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں کی دیواریں بھی بولتی ہیں۔ کسی کمرے کی سرگوشی بھی ایک مخصوص کرے میں لاوڑ سپیکر کی طرح چھینتے ہے۔ جیرالڈ یہاں کی چیزوں کی بھی گلگناہٹ سن سکتا ہے۔ لیکن میں نے آپ سے بگڑ کر کے اُس کا تھوڑا بہت اعتماد حاصل کر لیا ہے اور یہ صرف میرا حصہ ہے اگر آپ اکیلے ہوتے تو کبھی کے اُس سے ٹکر کر ختم ہو جاتے۔ اس کی شخصیت واقعی حریت انگیز ہے خدا کرے میں اُسے چونا لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے آپ کی شان میں گتاختا خیاں کی ہیں آن کے لئے معافی چاہتا ہوں۔۔۔ اب روایان شیریں بیان یوں فرماتے ہیں کہ میں نے روزا کو توڑ لیا ہے وہ میری ممنون ہے کہ میں نے اُسے اس مشینی تجربے سے بچا لیا۔ میں نے اُسے اُس کے باپ کی موت کی اطلاع بھی دبے دی ہے جس کا اُسے کوئی علم نہیں تھا اور وہ ایک بھوکی شیرنی کی طرح انتقام کے لئے بے چین ہے اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ سے پوچھے بغیر اُس کا ایک بوسہ لے لیا۔ بوسہ یوں لینا پڑا کہ وہ باہر نکلنے کے راستے سے واقف

”بیکا ہے چلو جلدی کرو۔“ فریدی ایک چھوٹی اسٹیشن و گین میں بیٹھتا ہوا بولا۔

دہاں ایک ٹرک بھی موجود تھا۔ گیراج کھلا ہوا تھا اور سامنے پختہ راستہ تھا۔ وہ دونوں اسٹیشن و گین پر لے گئے۔ دروازہ پھر کھلا اور کئی شکلیں دکھائی دیں۔ اتنی دیر میں فریدی اجنب اسٹارٹ کر چکا تھا۔ کار جیسے ہی آگے بڑھی حمید نے کھڑے ہوئے ٹرک کے پہیوں پر تین چار فائر کر دیے۔

شاید ایک ریو الور کہیں سے اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

”کیا کر رہے ہو۔“ فریدی بولا۔

”شاید میں نے ٹرک کے ناٹر چالا دیے ہیں۔“

”جیتے رہو۔“

دوسرے لمحے میں کار سنان سڑک پر فرائی بھر رہی تھی لیکن یہ سمجھنا ان کی حمایت تھی کہ وہاں صرف وہ اکیلا ٹرک رہ گیا تھا جس پر حمید نے گولیاں چلانی تھیں وہ بمشکل تمام ایک ہی میں آئے ہوں گے کہ ساری سڑک ایک تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اتنی تیز روشنی تھی کہ خش و خاشک میں گری ہوئی ایک سوئی بھی ڈھونڈنی جاسکتی تھی۔

حمدی نے پلت کر دیکھا اور اس کی آنکھیں چند ہیا گئیں۔ روشنی بہت تیزی سے ان کی طرف بڑھی آرہی تھی۔ شاید وہ کوئی کار تھی جس کے سرے پر ایک بہت زیادہ طاقت والی سرخ لائٹ نصب تھی۔

”حید...!“ فریدی نے نہ سکون لجھے میں کہا۔ ”یہ وقت آزمائش کا ہے میں رفتار کم کرتا ہوں کوڈ کوڈ کر جنگل میں گھسو۔“

”ارے باب.....!“ قاسم گڑ گڑایا۔

سب سے پہلے حید کو دل قاسم گرتے گرتے سنبھل گیا۔ اس کے بعد فریدی نے بھی جنگل کا گدی اور تینوں مختلف سمت کے گھنے جنگل میں گھستے چلے گئے۔

خوش قسمتی ہی تھی کہ انہیں آگے چل کر ایک پل گڈنڈی مل گئی اور وہ سیدھے اس پر بھاگتے۔

پل گئے۔ فریدی کو خدا شاہکہ کہیں لڑکاں جنگل میں ملٹری نہ لگادی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بھی ان کا خیر نہیں کوئکہ وہ بن مانسوں کی کھال میں تھے۔ اور اتفاق سے انہیں نیچے لگانے کے لئے بلٹ پاؤف نہیں مل سکے تھے اور دوسری طرف ان کھالوں کو جسموں سے الگ کرنے کے لئے رکنا

دوسرے ہی لمحے میں دیوار اپنی جگہ سے سر کی اور دو تین آدمی فریدی پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے فریدی کو پکڑ لیا اور حمید اس کے نیچے سے نکل کر بھاگ لکا۔



دوسری رات چار بن ماں آہستہ آہستہ ایک طویل اور نیم تاریک گلیارے میں ریگ رہے تھے۔ مدھم سی پیلے رنگ کی روشنی پورے گلیارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اندر ہیرے میں پیلا ہٹ کا امترانج پکھ عجیب سی پر اسرار کیفیت اور فضایا پیدا کر رہا تھا۔

سب سے آگے والا بن ماں یقینہ تین کے مقابلے میں پستہ قدھا اور سب سے پیچھے والا اتنا طویل القامت تھا کہ دیکھ کر ہنسی آسکتی تھی۔

ایک فرلانگ لمبے گلیارے کے اختتام پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ پستہ قد بن ماں دیوار میں کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ دفتاً ایک عجیب قسم کا شور سنائی دیا اور یہک پستہ قد بن ماں بڑی طرح کا چنے لگا۔

”غصب ہو گیا۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”حضرت کی گھنی۔ شاید انہیں پہنچ جل گیا۔“

”ارے باب رے باب۔“ سب سے لمبا بن ماں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔

”سنبل ڈیوٹ۔“ ایک دوسرا بن ماں بولا جو سر جنث حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

”چلے! آپ باہر نکل جائیے۔“ روزا بولی۔ ”میں کچھ دیر ان سے نپشوں گی۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”چلو تم راستہ دکھائیا سب تھلیں گے یا سب مریں گے۔“

”میرے پاس... ریو الور ہے۔“ حمید بڑی بڑیا۔

”بیکار ہے۔“ روزا جلدی سے بولی۔ ”ایک بھی گولی ان پر نہ پڑے گی.... یہاں مار ڈالنے

کے طریقے دوسرے ہیں۔“

کہیں دو تین قدموں کی آہستہ سنائی دے رہی تھی۔ دفتاً انہیں اپنے سروں پر ایک ہلکی سی

آواز سنائی دی۔ انہوں نے چوک کر اپر دیکھا۔ سامنے سے ایک زینہ نمودار ہو گیا تھا اور ان کے

سرے پر ایک چھوٹا سا اور واژہ تھا۔ شاید روزا استپانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

انہوں نے بڑی سرعت سے زینے لے کئے۔ روزا سب کے پیچھے تھی جیسے ہی وہ اوپر پہنچ

انہوں نے روزا کی چیخ سنی۔ حمید نے مز کر دیکھا۔ دروازہ ہند ہو چکا تھا اور وہ اوپری والی فینٹری کے

گیرج میں کھڑے ہوئے تھے۔

بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ حوریٰ ہی دیر بعد جنگل کی تاریکی میں گولیاں سننا نے لگیں۔

"کیوں نہ کسی درخت پر جا چڑھیں۔" حمید بڑا بولا۔

"ہائے مجھے درخت پر چڑھنا نہیں آتا۔" قاسم ہاتھا بولا۔

"بس بھاگتے چلو۔" فریدی سے کہا۔ "یہ ایک اندر گی چال ہے خود کو تقدیر پر چھوڑو۔ ان کی

تعداد اتنی زیاد نہیں ہے کہ پورے جنگل پر چھا جائیں۔"

"ہائے... اب نہیں چلا جاتا۔ میں گرا۔" قاسم کراہ کر بولا۔

"مرد... کاش تم چوہے ہوتے۔" حمید نے کہا۔ "اُرے... افسوس میری چوہیا ہیں رہ گئی۔"

انہیں بوی شدت سے گرفتار رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے سر پر سے کھال اٹار دی

اور بازوؤں تک ان کے جنم کھل گئے۔

صح ہوتے ہوتے انہوں نے جنگل پار کر لیا۔ اور پھر وہ اپنے جسموں پر سے کھالیں اٹار دی

رہے تھے کہ انہوں نے ایک خوناک گھر گھراہٹ سئی۔ زمین بٹھے گی اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔

گھر گھراہٹ کی گونج کافی دیر تک قائم رہی۔ وہ اس طرح بے سدھا زمین پر پڑے ہوئے تھے میںے

ان کے جسموں کی طاقت سلب ہو گئی ہو۔ دغنا حمید کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ آنکھیں پھاڑے

آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں کافی بلندی پر بڑے بڑے درخت اگردو غبار نے مرغنوں میں

چکراتے نظر آ رہے تھے۔ سورج کی پہلی شعاعیں غبار کے اس طوفان میں چھپ کر رہ گئی تھیں اور

یہ غبار پھیلتا ہی جا رہا تھا۔

وہ پھر انہوں کو بھاگے اب وہ کھلے میدان میں تھے۔ لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ کیا ہوا۔



لڑکاں ایک ماہ تک جلتا رہا۔ وہ پندرہ میل کے رقبے میں ہر وقت دھوئیں کے بادل

منڈلاتے رہتے تھے۔ میلوں تک بتیاں سننا ہو گئیں۔ اتنے بڑے جنگل کی آگ پر قابو پا

آسان نہیں تھا پھر بھی ہر طرح کی تدبیریں اختیار کی جاتی رہیں۔

اگر یہ جاہی نہ آئی ہوتی تو فریدی کے بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ سر جنٹ حمید کا کہنا تھا کہ:

چاہی اس کی چوہیا ہی لائی ہو گی۔ درند وہ لوگ اتنے احمق نہیں تھے کہ اپنی ان عظیم اشان ایجادات

کو اس طرح جباہ کر دیتے۔

شہر، لڑکاں جنگل سے میں میل کے فاصلے پر واقع تھا لیکن وہاں بھی زرخے کے حصے کے محسوس کے گئے تھے حالانکہ گھر گھر اہست کی آواز زیادہ تیز نہیں معلوم ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی لوگوں کا میمان ہے کہ وہ حدود جہے خوناک تھی اور زمین کے نیچے سے آتی محسوس ہوتی تھی۔ جیرالد پھر بھی اپنی کو تھی میں نہیں دکھائی دیا۔ اس کا لڑکا لیبی البتہ حرابت میں لے لیا گیا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ ان معاملات کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔

فریدی کے بیانات نے ساری دنیا میں تہلکہ چاڑیا اور سارے ممالک کی حکومتیں اپنے یہاں اُس تباہ کن تحریک کے حامیوں کو کھو دکر اُن کے بلوں سے نکالنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ لڑکاں جنگل کی آگ اب سرد ہو چکی ہے اور اب وہاں ایک ایسی جھیل دیکھی جاسکتی ہے جو تین چار میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اس کی گہرائی تاپنے کی بے حد کوشش کی جارہی ہے لیکن ابھی تک تو کامیابی نہیں ہو سکی۔

کہتے ہیں کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں جیرالد اور اس کے ساتھیوں نے حیرت انگیز ایجادات کا تجربہ کیا تھا۔

تمام شد